مارچ ۱۹۸۷ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

اسلامی انقلاب کا مفہوم

اور اس کے قرآنی و دیگر مترادفات ص

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پارک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۳۱۲۷۵۴-۲۲۱۵۹۸

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

جلد ۳۶
شمارہ ۳
رجب المرجب ۱۴۰۷ھ
مارچ ۱۹۸۷ء
فی شمارہ -/۵
سالانہ زرتعاون -/۵۰

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

مینجنگ ایڈیٹر
اقتدار احمد

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی
حافظ عاکف سعید
مقبول الرحیم مفتی

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، دوبئی، دوحا، قطر، متحدہ عرب امارات	۲۵ سعودی ریال یا -/۱۱۵ روپے پاکستانی
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر	۶ امریکی ڈالر یا -/۱۰۰ روپے پاکستانی
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ	۹ امریکی ڈالر یا -/۱۵۰ "
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ	۱۲ امریکی ڈالر یا -/۲۰۰ "

ترسیل زر: ماہنامہ میثاق لاہور یونائیٹڈ بنک لمیٹڈ ماڈل ٹاؤن برانچ
۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴ (پاکستان) لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: ۸۵۲۶۸۳-۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی فون ۲۱۶۵۸۶

طابع: چوہدری رشید احمد مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح، لاہور

مشمولات

عرضِ احوال ———— ۵

اقتدار احمد

اسلامی انقلاب کا مفہوم ———— ۷

بسلسلۂ اسلامی انقلاب: کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟

ڈاکٹر اسرار احمد

رُودادِ سفر ———— ۲۱

امیر تنظیم اسلامی کے ساتھ سندھ میں بارہ دن

مقبول الرحیم مفتی

مسئلۂ سندھ اور قارئین ———— ۵۰

(i) مولانا محمد مراد مدظلہٗ

(ii) غازی شہاب الدین جوکھیو

الاخوان المسلمون ———— ۵۶

مصر کی عظیم دینی تحریک کے ایک اہم رہنما عبد البدیع صقر کی معلوماتی تحریر

مترجم: مولانا شبیر احمد نورانی

انقلابِ محمدی کا بین الاقوامی مرحلہ ———— ۶۵

بسلسلہ اسلامی انقلاب: مراحل، مدارج اور لوازم

ڈاکٹر اسرار احمد

رفتارِ کار ———— ۹۳

تربیت و تزکیہ اور توسیعِ دعوت — قدم بقدم

مرتب: چودھری غلام محمد

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے زیرِ اہتمام

قرآن اکیڈمی کے بعد اب

قرآن کالج اور آڈیٹوریم

انجمن خدام القرآن کے مقاصد اور لائحۂ عمل سے آگہی اور اتفاق رکھنے والے مخیّر خواتین و حضرات یہ جان کر مسرت محسوس کریں گے کہ نیو گارڈن ٹاؤن لاہور کے اتاترک بلاک میں لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی سے حاصل کردہ پلاٹ نمبر اے۔ ۱۹۱ پر مجوزہ قرآن کالج اور آڈیٹوریم کی تعمیر کا کام پورے زور و شور اور قرینے سے شروع ہو چکا ہے۔ شاندار اور جدید ترین تصریحات کے مطابق آڈیٹوریم مروّجہ آرکیٹکچر اور ملک کے ایک ممتاز سٹرکچرل ڈیزائنر کی کاوش کا مظہر ہے جو نو سَو (۹۰۰) سے زائد نشستوں پر مشتمل ہوگا اور اس اعتبار سے شاید اپنی نوعیت کا پہلا آڈیٹوریم ہو کہ یہ صرف اور صرف قرآنِ حکیم کے پیغام کی نشر و اشاعت کے لیے مخصوص ہوگا۔

تفصیلی تعارف کی ضرورت محسوس ہو تو بروشر طلب فرمایئے۔

عطیات جو حکومتِ پاکستان مالیات و ریونیو ڈویژن دفعہ (ڈ) (۱) ۴۷ کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں، بذریعہ کراس چیک یا بنک ڈرافٹ (لاہور سے پے آرڈر) مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نام ارسال کیے جائیں۔

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور
۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن لاہور
ٹیلی فون: ۸۵۲۶۸۳ - ۸۵۲۶۱

داخلہ برائے بی۔اے کلاس

قرآن کالج۔ لاہور

الحمد للہ اس سال سے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیرِ اہتمام قرآن کالج کے نام سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کا باضابطہ آغاز ہو رہا ہے۔ اس اسکیم کے تحت ایف اے ایف ایس سی پاس طلبہ کو داخلہ دیا جائیگا اور تین سال کے عرصہ میں جامعۂ پنجاب کے نصاب کے مطابق بی اے کے امتحان کی باقاعدہ تیاری کے ساتھ دینی تعلیم کے ایک بنیادی نصاب کی تعلیم بھی دیجائے گی جس میں عربی زبان کی مضبوط بنیادوں پر تحصیل، پورے قرآنِ مجید کا ترجمہ اور تعلیمِ حدیث کے پروگرام خصوصیت کے ساتھ شامل ہونگے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں:

۱۔ ایف اے ایف ایس سی اور آئی کام پاس طلبہ سے درخواستیں مطلوب ہیں جو طلبہ نتیجہ کے منتظر ہوں وہ بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

۲۔ داخلہ کیلئے درخواستیں وصول کرنے کی آخری تاریخ ۳۱ مارچ ۸۷ء ہے

۳۔ تعلیم کا آغاز ان شاء اللہ ماہ رمضان المبارک کے فوراً بعد یعنی اوائل جون میں ہوگا

۴۔ بیرونِ لاہور کے طلبہ کے لئے ہاسٹل کی سہولت موجود ہے۔

نوٹ: کالج پراسپکٹس اور داخلہ فارم حاصل کرنے کیلئے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے نام دس روپے کا پوسٹل آرڈر یا ڈاک ٹکٹ روانہ کریں

المعلن: قمر سعید قریشی، ناظمِ اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔ ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۸۳

مِعراجُ النّبی

علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسّلام

تالیف

ڈاکٹر اِسرار احمد

عمدہ آفسٹ پیپر، اعلیٰ طباعت، قیمت ۱۲/- روپے

شائع کردہ

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن فون ۸۵۲۶۸۲۱

۴۰ صفحات پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ جس میں مؤلف نے نہایت سادہ لیکن مؤثر انداز میں قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور عقل و فطرت سے استدلال کرتے ہوئے سیرت طیبہ کے اس عظیم واقعے کا اِثبات اس طور سے کیا ہے کہ

واقعہ معراج

سے متعلق قریباً تمام الجھنیں رفع ہو جاتی ہیں۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کے

دروسِ قرآن اور خطاباتِ عام

پر مشتمل آڈیو اور ویڈیو کیسٹس

خریدیئے یا عاریۃً حاصل کیجیے!

احمد دیدات اور جمی سویگرٹ کے مناظرے کی فلم بھی دستیاب ہے

سنگیت سنٹر، ۳۱۴ - اے گراؤنڈ فلور، پینورا ما سنٹر، لاہور

فون: ۳۰۶۳۶۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

سیاست کے باب میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد اور تنظیمِ اسلامی کا طرزِ عمل قارئینِ میثاق کے لئے کھلا راز ہے ۔ ہم تفصیل میں جائے بغیر محض چند جملوں میں اپنے مؤقف کا اعادہ کریں تو بات یوں بنتی ہے کہ ہم نظری سیاست کو تو ہر باشعور شہری پر واجب سمجھتے ہی ہیں، عملی سیاست میں بھی اُسوۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کے اِتّباع میں انقلابی سیاست کو اپنا فرضِ عین جانتے ہیں ۔ احتراز ہے تو مروجہ انتخابی سیاست سے جو روز بروز ہر اُصول اور قرینے سے عاری ہوتی جا رہی ہے ۔ یہ احتراز بھی کوئی وجدانی فیصلہ نہیں بلکہ ایک منطقی دلیل پر استوار ہے ۔ ہماری تشخیص یہ ہے کہ چونکہ انسانی معاشرہ ـــــ اور ہمارے اوّلین میدانِ عمل ہونے کی حیثیت میں بالخصوص ہمارے اپنے مُلک کا معاملہ ـــــ ایک باطل اور فاسد نظام کے ظلم کا شکار ہے ۔ لہٰذا انسانیت کو دُنیوی اور اُخروی عافیت اور امن و سکون دینے کے لئے جُزوی اور سطحی کتر بیونت کافی نہیں بلکہ ضرورت اس پُورے نظام کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر ایک نئے ہمہ گیر و ہمہ جہت عادلانہ نظامِ زندگی کو برپا کرنے کی ہے جو کائنات کے خالق کی ہدایت و رہنمائی سے بھی فیضیاب ہو۔ اور تخریب و تعمیر کا یہ مرحلہ انقلابی سیاست ہی سے طے ہو سکتا ہے ۔ انتخابی سیاست کا ہدف نظام کی تبدیلی ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ تو فی الحقیقت حاضر و موجود نظام کی ہی پیداوار اور اصلاً اُسی کی محافظ ہوتی ہے ۔ اس کا کام نظام کی بنیادوں کو جُوں کا تُوں رکھتے ہوئے گاہے چند جُزوی تبدیلیاں لانا بھی ہو سکتا ہے ۔ وگرنہ عموماً اس کا دائرہ کار بالفعل قائم نظام کو چلانے والے ہاتھ بدلنے کی سعی و جہد ہی ہوتا ہے ۔

متحدہ شریعت محاذ میں تنظیمِ اسلامی کی شمولیت کسی بھی درجے میں روائتی سیاست کا چسکا پُورا کرنے یا محض منہ کا ذائقہ بدلنے کی خاطر ہرگز نہ تھی ۔ ہم نے شعوری طور پر فیصلہ کیا کہ ملک میں شریعت کے نفاذ کی کسی بھی کوشش میں اپنی بساط سے بھی بڑھ کر حصہ لینا ہمارے لئے عینِ سعادت ہے اور اس اُمید نے بھی ہمارے دلوں میں راہ پائی کہ چونکہ حقیقی اور واقعی نفاذِ شریعت صرف منہجِ نبوّت کے ذریعے ہی ممکن ہے لہٰذا اگر اس کے لئے سعی و جہد

کرنے والے خلوصِ نیت سے ہی نہ ہوئے تو جلد یا بدیر انہیں انقلابی سیاست کے انداز کو ہی اپنانا ہوگا۔ تفصیل کا نہ موقع ہے نہ محل لیکن ہمیں اپنی اس اُمید کے بر آنے کے واضح آثار و شواہد نظر بھی آنے لگے ہیں۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

اس پس منظر میں جمیعت علماء اسلام (مولانا درخواستی گروپ) کے سیکرٹری جنرل اور پرائیویٹ شریعت بل کے محرک، سینیٹر مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہٗ کا ایک بیان جو ۲۵ فروری کو لاہور کے اخبارات میں شائع ہوا، نفاذِ شریعت کی مہم کو عامۃ الناس میں مشکوک بنانے کا باعث ہوا ہے۔ محترم مولانا اگرچہ متحدہ شریعت محاذ میں کوئی مرکزی عہدہ نہیں رکھتے لہٰذا اُن کا فرمانا پالیسی بیان قرار نہیں دیا جاسکتا تاہم اُنکی یہ حیثیت کیا کم ہے کہ محاذ قائم ہی اُن کے پیش کردہ بل کو منظور کروانے کے لئے ہوا ہے۔ مولانا سے اس بیان میں جو بات منسوب کی گئی ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ ایم آر ڈی (تحریک بحالی جمہوریت) اگر شریعت بل کی حمایت کرنا منظور کرلے تو متحدہ شریعت محاذ کی قیادت "سپردم بتو مایۂ خویش را" کے انداز میں اس کے حوالے کر دی جائے گی۔ حُسنِ ظن کا تقاضا ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ مولانا محترم کی بات غلط رپورٹ کی گئی لیکن بدقسمتی سے اگر ایسا نہیں تو ہم مولانا سے بصد ادب گذارش کریں گے کہ وہ اپنے ارادے پر نظرِ ثانی فرمائیں۔

بحالیِ جمہوریت کی حد تک تنظیمِ اسلامی کا موقف محاذ کے قیام سے بھی بہت پہلے سے وہی چلا آرہا ہے جو ایم آر ڈی کی اساس ہے۔ لیکن متحدہ شریعت محاذ کی مہم کا ہدف اُس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے۔ بحالیِ جمہوریت پاکستان کے باسیوں کے مسائل کا جو فی الاصل ناعاقبت اندیشانہ حکمتِ عملی کے تسلسل کے باعث پیدا شدہ احساسِ محرومی و بیگانگی کا ناسوُر نتیجہ ہیں، ایک فوری اور وقتی حل ہے جبکہ نفاذِ شریعت کو ہم جسدِ ملت کے جملہ عوارض کا شافی اور مستقل علاج سمجھتے ہیں۔ اس عظیم مقصد کو ایک وقتی تدبیر کا تابع کیسے بنایا جاسکتا ہے۔ پھر یہ بھی تو دیکھئے کہ ایم آر ڈی کی سٹیج پر بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے جمع ہیں۔ اُن میں سے اکثر کی نظریاتی و جذباتی وابستگیاں اور نظامِ زندگی کی ترجیحات رجالِ دین کے لئے قابلِ قبول نہیں ہوسکتیں۔ ایسے مختلف الخیال گروہ کسی جزوی مقصد کے لئے تو جمع ہوسکتے ہیں لیکن ایک ہمہ گیر و ہمہ جہت تبدیلی کی حمائت میں بھان متی کا کوئی کنبہ مثبت کردار ادا کرنے کے قابل بھی نہیں ہوسکتا کجا یہ کہ اُسے منصبِ قیادت سونپ دیا جائے۔

اسلامی انقلاب کا مفہوم

اور اُس کے قرآنی و دیگر مترادفات

ڈاکٹر اسرار احمد

اِس میں ہرگز کوئی شک نہیں ہے کہ 'اسلامی انقلاب' ایک جدید اصطلاح ہے۔ اور قرآن حکیم کے بارے میں تو یہ قطعی اور حتمی طور پر معلوم ہے کہ اُس میں یہ اصطلاح کہیں بھی وارد نہیں ہوئی۔ گمانِ غالب یہی ہے کہ حدیث کے پورے ذخیرے میں بھی یہ اصطلاح کہیں موجود نہیں ہے۔ تاہم قرآن مجید میں اِس کے ہم معنی الفاظ اور مترادف اصطلاحات بکثرت موجود ہیں۔

الحمد للہ کہ اِن سطور کا ناچیز راقم قرآن و حدیث کی اصطلاحات کی جگہ جدید اصطلاحات کے استعمال کی مضرتوں سے بخوبی واقف ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ہر دَور میں غور و فکر کے کچھ مخصوص سانچے بن جاتے ہیں جنہیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اور ع

"بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر!"

کے مصداق اُس دور میں جن اصطلاحات کے حوالے سے عموماً بات سمجھی اور سمجھائی جاتی ہو اُن کے بغیر ابلاغ کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ کسی بات کو ابتداءً ذہنوں تک پہنچانے کے لیے تو جدید اصطلاحات کا ضرور سہارا لیا جائے لیکن اُن کو مستقلاً اختیار نہ کیا جائے بلکہ ذہنوں کو رفتہ رفتہ قرآن و حدیث کی اصل اصطلاحات ہی سے مانوس کیا جائے۔ لہٰذا ——— "اسلامی انقلاب: کیا ہے، کیوں ہے اور کیسے ہے؟" کی بحث کے آغاز میں مناسب ہے کہ اسلامی انقلاب کے مفہوم کی تعیین کے ساتھ ساتھ اُس کے قرآنی مترادفات کو بھی سمجھ لیا جائے۔

اسلامی انقلاب کا لغوی مفہوم

نحو کی رُو سے 'اِسلامی انقلاب' مرکب توصیفی ہے اور اُردو ترکیب کے مطابق اِس کا

جزوِاوّل صفت ہے اور جزوِ ثانی موصوف۔ عربی اور فارسی میں ترتیب اِس کے برعکس ہوتی ہے چنانچہ فارسی میں اِسے 'انقلابِ اسلامی' کہا جائے گا اور عربی میں 'الانقلابُ الاسلامی'۔ انگریزی میں ترتیب اُردو ہی کی طرح ہے۔ چنانچہ 'اِسلامک ریوولیوشن' (Islamic Revolution) میں صفت مقدّم ہے اور موصوف مؤخر!

اِس کے مفہوم و مطلب کی تعیین کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کے دونوں اجزائے ترکیبی کے مفہوم کو معیّن کر لیا جائے۔

انقلاب

اِنقلاب عربی زبان کا لفظ ہے اور 'ق ل ب' کے مادّے سے بابِ انفعال کا مصدر ہے۔

اِس مادّے کا بنیادی مفہوم کسی حالت یا کیفیت میں تبدیلی پیدا ہو جانا ہے۔ اور اغلباً دِل کو قلب اِسی لیے کہتے ہیں کہ اِس کی کیفیت ہر وقت بدلتی رہتی ہے اور اِسے کسی حالت پر قرار حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ ہر دم یا پھیل رہا ہوتا ہے یا سکڑ رہا ہوتا ہے! (اِس خالص مادّی اور عضویاتی حقیقت سے قطع نظر نفسیاتی سطح پر بھی اللہ کے ایسے بندے شاذ ہی ہوتے ہیں جنہیں اطمینانِ قلب واقعتہً حاصل ہو جائے۔ اکثر و بیشتر انسانوں کا حال تو حضرتِ اکبؔر کے اس شعر کے مصداق کہ ؎

"منتشر رہتا ہے مکروہاتِ دنیا سے بہت   اِس دِلِ مضطر کو یا اللہ اطمینان دے!"

یہی رہتا ہے کہ دِل کو کسی مکمل چین نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ 'دل' کے ساتھ ہمیشہ 'مضطرب' اور 'بیقرار' ایسے الفاظ ہی نتھّی کیے جاتے ہیں!)

بابِ انفعال کا خاصہ غیر پر اثر انداز ہونے کی بجائے خود اثر پذیر ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظِ 'انفعال' خود بھی شرمندگی اور خجالت کے معنی میں اِستعمال ہوتا ہے۔ (جیسے علاّمہ اقبالؔ کے نوعمری کے زمانے کے کہے ہوئے اُس شعر میں ہے جس پر حضرت داغؔ نے دل کھول کر داد دی تھی یعنی ؎ "موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے   قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے"!)

بنا بریں ـــــ 'انقلاب' کے لفظی معنی ہیں: بدل جانا یا ہو جانا' اور لوٹ جانا یا لوٹ آنا'۔

چنانچہ قرآنِ حکیم میں یہ لفظ بائیس[۲۲] مقامات پر ان ہی میں سے کسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اُردو زبان میں یوں تو لفظِ 'انقلاب' اپنے اصل لغوی معنی کے اعتبار سے خالص نجی حالات

اور انفرادی کیفیات کی تبدیلی سے لے کر نظامِ اجتماعی کی ہمہ گیر تبدیلی تک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اور اِس کا اطلاق خالص ذہنی وفکری اور نظریاتی ونفسیاتی تغیّر سے لے کر اخلاق وکردار کے جملہ پہلوؤں حتّٰی کہ ریاست وحکومت تک کی تمام سطحوں کی تبدیلیوں پر کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ذہنی انقلاب، فکری انقلاب، نظریاتی انقلاب، اخلاقی انقلاب، عملی انقلاب، سماجی انقلاب، ثقافتی انقلاب، صنعتی انقلاب، معاشی انقلاب، سیاسی انقلاب حتّٰی کہ فوجی انقلاب تک کے الفاظ عام طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

لیکن اصطلاحاً اِس کا اِطلاق کسی ملک یا معاشرے کے اجتماعی نظام میں کسی اساسی نوعیت اور قابلِ لحاظ مقدار کی حامل تبدیلی پر ہوتا ہے!

چنانچہ فرانس کا انقلاب بجاطور پر 'انقلاب' کہلانے کا مستحق ہے۔ اِس لیے کہ اُس کے ذریعے سیاسی نظام میں بنیادی تبدیلی رُونما ہوئی۔ اِسی طرح روس کا اشتراکی انقلاب بھی واقعتہً 'انقلاب' تھا۔ اِس لیے کہ اُس کے نتیجے میں کم ازکم معاشی نظام جڑ بنیاد سے تبدیل ہو گیا۔ وقس علیٰ ذالك!

لیکن واقعہ یہ ہے کہ 'انقلاب' کے لفظ کا بہ تمام وکمال اِطلاق اگر ہوتا ہے تو صرف اور صرف اُس ہمہ گیر اور ہمہ جہتی تبدیلی پر جو اَب سے چودہ سو سال قبل جزیرہ نمائے عرب میں محمدؐ رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی بیس سالہ جدّوجہد کے نتیجے میں رُونما ہوئی تھی!

اِس لیے کہ اُس 'انقلابِ محمدیؐ' کے نتیجے میں خالص انفرادی معاملات حتّٰی کہ عقائد ونظریات سے لے کر "قوم وآئین وحکومت" کی بلند ترین سطح تک ہر شے بدل گئی، یہاں تک کہ وہاں شاید خوردبین کے ذریعے ہی کسی ایسی چیز کا سراغ مل سکے جو اپنی سابقہ حالت پر برقرار رہ گئی ہو۔ چنانچہ 'اپنوں' کی مدح وستائش سے قطع نظر اِس کی گواہی موجودہ صدی کے اوائل میں تو دی تھی ایم این رائے ایسے عظیم انقلابی انسان نے اپنی تالیف "Historical Role of Islam" ــــــــــ میں آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلابی رہنما قرار دے کر اور حال ہی میں یہ گواہی زیادہ مؤثر اور مدلّل انداز میں دی ہے ڈاکٹر مائیکل ہارٹ نے اپنی تالیف "The 100"

میں آنحضورؐ کو نسلِ آدم کا عظیم ترین فرد قرار دے کر اور اس کی دلیل کے طور پر اِس حقیقت کو پیش کر کے کہ "وہ (یعنی محمد صلّی اللہ علیہ وسلم) نسلِ انسانی کے واحد فرد ہیں جو بیک وقت مذہبی اور سیاسی دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب ہیں"! (نوٹ: ڈاکٹر ہارٹ نے "Religious and Secular" کے الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن اُن کی مراد وہی ہے جو راقم نے بیان کی!)

'انقلاب' اگرچہ عربی زبان کا لفظ ہے لیکن چونکہ ——— اوّلاً یہ قرآن وحدیث میں استعمال نہیں ہوا تھا ——— ثانیاً جب سے یورپ میں انقلابات کے دَور کا آغاز ہوا عالمِ عرب

ع "جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی"!

کے مصداق شدید جمود کی گرفت میں تھا اور غفلت کی گہری نیند میں مدہوش تھا لہٰذا ماضی قریب کی جدید عربی بھی اِس لفظ سے خالی رہی، بلکہ اِس کے برعکس جب مختلف عرب ممالک میں عوامی بیداری پیدا ہوئی اور یکے بعد دیگرے عرب ملکوں میں 'انقلاب' آنے شروع ہوئے تو اُن کیلیے بھی جو لفظ استعمال ہوا وہ 'انقلاب' کا نہیں بلکہ "ثورۃ" کا تھا اِس لیے کہ اِس لفظ کے اساسی مفہوم میں ہیجانی اور طوفانی کیفیات جزوِ لاینفک کی حیثیت سے شامل ہیں اور عرب عوام کی بیداری کی کیفیت واقعتہً کسی انسان کے گہری نیند سے چونک جانے اور ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھنے بلکہ بھاگ پڑنے کی کیفیت سے مشابہ تھی! ——— تاہم ایک ہندی نژاد عالم وادیب مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم ومغفور نے اب سے تیس چالیس سال قبل "اسلامی حکومت کیسے قائم ہوتی ہے؟" کا ترجمہ "منہاج الانقلاب الاسلامی" سے کیا تھا اور اب تدریجاً پورے عالمِ عرب میں 'انقلاب' ہی 'ثورۃ' کی جگہ لے رہا ہے

انگریزی زبان کے لفظ "ریوولیوشن" (Revolution) کا معاملہ بھی بالکل اُردو کے 'انقلاب' ہی کے مانند ہے۔ چنانچہ مسٹر کرین برنٹن (Mr. Crane Brinton) نے اپنی مشہور تالیف "دی اناٹومی آف ریوولیوشن" (The Anatomy of Revolution) میں اس لفظ پر کئی صفحات میں بحث کی ہے۔ جس کا حاصل وہی ہے جو لفظِ انقلاب کے ضمن میں اوپر بیان ہو چکا ہے۔ البتہ انگریزی زبان کی کم از کم یہ احتیاط قابلِ ذکر ہے کہ اُس میں کسی ملک میں فوجی حکومت کے قیام کو 'انقلاب' یا 'ریوولیوشن' کے لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاتا بلکہ اُس کے لیے ایک جداگانہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے یعنی "کو ڈی ٹا" (Coup De Tat)۔ اِس لیے کہ اِس صورت میں ملک

کے نظامِ اجتماعی میں کوئی اساسی تبدیلی واقع نہیں ہوتی بلکہ اوپر کے انتظامی ڈھانچے میں ایک عنصر کا 'اضافہ' ہوتا ہے!

اِسلام

عُرفی اعتبار سے 'اِسلام' اللہ کے دین کے لیے 'اِسم عَلَم' کی حیثیت رکھتا ہے۔

لفظاً ——— اِسلام 'س ل م' کے مادّے سے بابِ افعال کا مصدر ہے۔ اِس مادّے کا اصل مفہوم امن اور سلامتی ہے۔ فِعل کی صورتیں جب یہ ثلاثی مجرّد میں اِستعمال ہوتا ہے یعنی 'سَلِمَ یَسْلَمُ'، تو اِس کے معنی ہوتے ہیں 'خود سلامتی میں ہونا' اور اِس سے اِسم فاعل بنتا ہے 'سالم'[1] جس کے معنی ہیں صحیح و ثابت اور پورے کا پورا بغیر کمی کے ——— اور جب یہ باب افعال سے آتا ہے یعنی 'اَسْلَمَ یُسْلِمُ اِسْلَامًا'، تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی دوسرے کو سلامتی دینا یا اُس کے حق میں سراپا سلامتی بن جانا' اور اس سے اِسم فاعل بنتا ہے 'مسلم'۔ یعنی غیر مضر اور غیر متحارب!

لفظِ 'اسلام' کے محاوراتی اِستعمالات میں کچھ ایسا مشترک پس منظر سامنے آتا ہے کہ جیسے ذو فریقوں کے درمیان مقابلہ اور کشاکش جاری ہو اور دفعتہً اُن میں سے ایک مقابلے سے دستکش ہو کر دوسرے کی اطاعت قبول کر لے۔ اسی لیے فارسی میں 'اِسلام' کے مفہوم کی تعبیر کے لیے "گردن نہادن" اور "سپر انداختن" کے الفاظ اِستعمال ہوتے ہیں۔ اور انگریزی میں اِس کا مفہوم "To Surrender" اور "To Submit" کے الفاظ سے ادا ہو سکتا ہے۔

جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' اِسلام اللہ کے دین کے لیے اِسمِ عَلَم کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۹ میں مثبت طور پر ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ "(ترجمہ: "یقیناً اللہ کے نزدیک دینِ (حق) اسلام ہے") اور منفی انداز میں آیت ۸۵ میں فرمایا گیا: "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ" (ترجمہ: جو اسلام کے سوا کسی دین کو اختیار کرے گا وہ (اللہ کے ہاں) اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا!") ———

---

[1] "جب کشتی ثابت و سالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی۔ اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے!"

لہٰذا اِس بحث میں لفظِ ’دین‘ کے لُغوی اور اصطلاحی معنوں پر غور بھی لازمی ہے۔

عربی لُغت میں ’دین‘ کا اساسی مفہوم بالکل وہی ہے جس میں یہ لفظ ’اساس القرآن‘ یعنی سورۂ فاتحہ میں اِستعمال ہوا ہے یعنی بدلہ یا جزاو سزا (اس لیے کہ بدلہ لامحالہ نیکی کا جزا کی صورت میں ہوتا ہے اور بدی کا سزا کی صورت میں۔) چنانچہ قرآن حکیم کی ابتدائی دَور میں نازل ہونے والی متعدد سورتوں میں یہ لفظ بغیر کسی اضافی یا توصیفی ترکیب کے اپنی سادہ اور مفرد صورت میں بدلے اور جزا سزا ہی کے لیے اِستعمال ہوا ہے۔ (جیسے سورۃ الماعون کی آیت ۱، سورۃ التین کی آیت ۷ اور سورۃ الانفطار کی آیت ۹ میں) اور سورۃ الفاتحہ کے علاوہ بارہ مقامات پر یہ لفظ ’یوم‘ کی اضافت کے ساتھ یومِ قیامت کے معنی میں آیا ہے جو بدلے یعنی جزاو سزا کے فیصلے کا دن ہے! ——— یہاں چاہیں تو عربی کی کہاوت ”کَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ“ (جیسا کرو گے ویسا بھرو گے!) اور حماسہ کے مشہور مصرعے کے الفاظ ”دِنَّاھُم کَمَا دَانُوا“ (ہم نے اُن کے ساتھ وہی کچھ کیا جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا تھا) کے علاوہ اِس حقیقت کو بھی ذہن میں مستحضر کرلیں کہ عربی زبان میں قرض کو ’دَین‘ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ ہدیہ یا ہبہ کے برعکس اس کا بھی لوٹایا جانا مطلوب ہوتا ہے جیسے کسی عمل کا بدلہ اس کے فاعل کی جانب لوٹتا ہے!

اِس لُغوی اساس سے اُٹھا کر قرآن حکیم نے جب لفظِ ’دین‘ کو اپنی مخصوص اصطلاح کی صورت دی تو اِس میں اولاً اطاعت اور تابعداری کا مفہوم پیدا ہوا، اِس لیے کہ بدلے اور جزاو سزا کا تصوّر لازماً مستلزم ہے کسی قانون اور ضابطے اور اُس کی اطاعت یا مخالفت کے تصوّر کو۔ اور بالآخر اُس نے ’نظامِ اطاعت‘ کے معنی اختیار کر لیے جس کی اضافتِ حقیقی تو اُس ذات کی جانب ہوتی ہے جسے مُطاعِ مطلق مان کر اُس کی رضاو منشا کے مطابق زندگی کا تفصیلی ڈھانچہ اور ضابطہ تیار کیا جاتے۔ البتہ اُس کی مجازی اضافت و نسبت اُن لوگوں کی طرف بھی ہو جاتی ہے جو اُس نظامِ اطاعت کو قبول اور اختیار کرلیں۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں دس مقامات پر ”دین کو اللہ کے لیے خالص کر لینے“ کا ذکر ہے اور یہاں ظاہر ہے کہ دین کے معنی ’اطاعت‘ کے سوا اور کوئی لیے ہی نہیں جاسکتے! ——— اِسی طرح دین کی اضافتِ مجازی کی مثالیں تو ہیں دِیْنِیْ اور دِیْنُکُمْ اور دِیْنُھُمْ یعنی میرا دین یا تمہارا دین یا اُن کا دین اور حقیقی اضافت

کی مثالیں ہیں 'دِیْنِ الْمَلِكِ' (سورۃ یوسف: آیت ۷۶) یعنی بادشاہ کا دین یا نظامِ شاہی اور 'دِیْنِ اللہ' (سورۃ نصر: آیت ۲) یعنی اللہ کا دین یا 'نظام اطاعتِ خداوندی' یعنی اِسلام! اِسی پر قیاس کرتے ہوئے عہدِ حاضر کے مقبول ترین نظامِ حکومت یعنی جمہوریت کو قرآنی اصطلاح میں تعبیر کیا جاسکتا ہے 'دِینُ الجمھُور' سے![1]

الغرض، اِسلام نام ہے اُس مکمل نظامِ زندگی کا جو اللہ کو صرف محدود مذہبی معنوں میں معبودِ حقیقی ہی نہیں بلکہ اِس کے ساتھ ساتھ وسیع تر تمدّنی و سیاسی مفہوم میں حاکمِ حقیقی اور مُطاعِ مطلق مان کر اُس کی مرضیٔ منشا کے مطابق مرتب و منظم کیا جائے اور جو انسانی زندگی کے جُملہ انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر حاوی ہو!

اسلامی انقلاب

بنابریں ـــــــ اِسلامی انقلاب کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ کسی ملک یا معاشرے میں اللہ کی حاکمیت کے اصُول پر مبنی نظام بالفعل قائم ہوجائے۔ اور پُوری قوم یا پُورا معاشرہ مجموعی طور پر اللہ کے اِقتدارِ اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے اُس کے نظامِ اطاعت کو عملاً قبول کرلے۔ اور جیسے کہ اِس سے قبل 'انقلاب' کے مفہوم کی وضاحت کے ضمن میں عرض کیا جاچکا ہے، اِس معاملے میں اصل اہمیّت اِسلام کے نظامِ اِجتماعی کی ہے نہ کہ افراد کے عقائد و اعمال کی۔ اِس لیے کہ جہاں اُخروی نجات و فلاح کے حصُول اور افراد کی سیرت و کردار کی تعمیر کے اعتبار سے اہم تر معاملہ عقائد اور عبادات کا ہے، وہاں 'انقلاب' کے نقطۂ نظر سے اصل اہمیّت اِسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی اور دینِ حق کے نظامِ عدل وقسط کو حاصل ہے ـــــــ یہی وجہ ہے کہ انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسلام کی تکمیل پر 'نظامِ اسلامی' نے اُن لوگوں کے لیے تو نہ صرف یہ کہ اپنے اندر گنجائش پیدا کرلی تھی جو اِسلام کے عقائد و عبادات کو قبول نہ کریں یعنی

---

[1] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت"۔

اِسلام کو بطور 'مذہب' اختیار نہ کریں بلکہ کسی دوسرے مذہب پر قائم رہیں اور خواہ یہودی رہیں خواہ نصرانی اور خواہ مجوسی رہیں خواہ کچھ اور، بلکہ انہیں ایک آئینی و دستوری حیثیت بھی عطا کر دی تھی اور عقائد و عبادات پر مستزاد 'قانونِ شخصی' ______ (Personal Law) کی حد تک مکمل آزادی بھی دے دی تھی، لیکن اِسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی اور اُس کے محافظ و امین یعنی 'قانونِ مملکت' (Law of the Land) ______ کے ضمن میں کسی قسم کی نرمی یا لچک کو گوارا نہیں کیا تھا۔ چنانچہ شریعتِ اسلامی کے فوجداری اور دیوانی قوانین بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں سب پر نافذ تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ یہ بنیادی اصول بھی سب کے حق میں یکساں مؤثر اور رائج تھا کہ ______ "تم میں سے ہر ضعیف میرے نزدیک قوی ہو گا جب تک کہ میں اُسے اُس کا حق نہ دِلوا دوں، اور ہر طاقتور کمزور ہو گا جب تک اُس سے حق وصول نہ کر لوں!"

قرآنی اصطلاحات

اب آیئے کہ ہم یہ دیکھیں کہ 'اِسلامی انقلاب' کے اِس مفہوم یعنی حاکمیتِ الٰہیہ کے بالفعل نفاذ اور قوانینِ الٰہیہ کی مطلق اور غیر مشروط و بلا استثناء بالادستی کو قرآنِ حکیم نے کن الفاظ و اصطلاحات کے ذریعے واضح کیا ہے۔

اِس ضمن میں تمہیداً اِس حقیقت کی جانب اشارہ مفید ہو گا کہ قرآنِ حکیم کے مخصوص اسلوب میں

ع "اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں!"

کے مصداق 'تصریف' یعنی ایک ہی مضمون کو مختلف الفاظ، مختلف پیرایہ ہائے بیان اور مختلف ترتیب سے بیان کرنے کو ایک مستقل وصف کی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ اپنی اساسی اصطلاحات کے ضمن میں بھی قرآن تعدد اور تکثر کو بروئے کار لایا ہے اور 'اِسلامی انقلاب' کے مفہوم کو کم از کم پانچ مستقل اصطلاحات کے حوالے سے بیان کیا ہے!

① تکبیرِ ربّ

"تکبیر" کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کو بڑا کرنا یا بڑا بنانا، جیسے تصغیر کے معنی ہیں کسی چیز کو چھوٹا کرنا یا چھوٹا بنانا اور تسہیل کے معنی ہیں آسان کرنا یا آسان بنانا۔ چنانچہ عربی زبان کی عام کہاوت ہے: "كَبَّرَنِي مَوْتُ الْكُبَرَاء" یعنی "مجھے بڑا بنا دیا بڑوں کی موت نے"! لہٰذا تکبیرِ ربّ کے لفظی معنی ہیں اللہ کو بڑا کرنا یا بڑا بنانا اور اس سے مراد ہے وہ نظام بالفعل قائم کرنا جس میں اُس کی بڑائی کو غیر مشروط طور پر تسلیم کیا جائے اور اُس کے اوامر و نواہی اور قواعد و قوانین کو قطعی اور حتمی طور پر بالادستی حاصل ہو۔ بدقسمتی سے ہمارے دَورِ زوال میں تکبیر کے صرف یہ معنی پیشِ نظر رہ گئے ہیں کہ زبان سے 'اللہ اکبر' کہہ دیا جائے اور اللہ کی بڑائی کا اقرار کر لیا جائے۔ حالانکہ حقیقتاً اِس میں درجہ بدرجہ اللہ کی بڑائی کو دل سے تسلیم کرنا، زبان سے اِس کا اقرار و اعلان کرنا اور اس کے بالفعل نفاذ کی جدوجہد میں تن من دھن لگا دینا سب شامل ہیں۔ یہی حقیقت تھی جسے علّامہ اقبال نے اپنے اُس مشہور قطعہ میں بیان کیا تھا کہ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملّا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اَور

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اَور ہے شاہیں کا جہاں اور

اِس لیے کہ کسی مسجد کے مؤذن اور میدانِ جہاد میں جان کی بازی لگانے والے مجاہد، دونوں کی اذان کا آغاز 'اللہ اکبر' ہی کے الفاظ سے ہوتا ہے لیکن عام مؤذن اللہ کی کبریائی کا صرف اعلان و اقرار کر رہا ہوتا ہے جبکہ مجاہد اللہ کی کبریائی کے عملی نفاذ کے لیے جان کی بازی لگا رہا ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں کے مرتبہ و مقام کا فرق و تفاوت اظہر من الشمس ہے۔ ع "گر حفظِ مراتب نہ کُنی زندیقی!" ـــــ اِس مضمون کو علّامہ مرحوم نے مزید شکوہ و جلال کے ساتھ یُوں بیان فرمایا کہ ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ خدا مست یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات!

"تکبیرِ ربّ" کے مفہوم کی اِسی عظمت کی مظہر ہیں سورۃ المدّثر کی وہ تین ابتدائی آیات جن کے ذریعے، مفسّرین اور محققین کے اجماع کے مطابق، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

پیغمبرانہ مشن کی تکمیل اور فرائضِ رسالت کی ادائیگی کے لیے عملی جدّوجہد کے آغاز کا اوّلین حکم دیا گیا یعنی:

"یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝"

اِن آیاتِ مبارکہ کے ترجمے کو اگر ذرا وضاحت سے بیان کیا جائے تو یوں ہو گا: "اے کپڑے میں لپٹے ہوئے (یعنی اے حکیمانہ غور و فکر یا عاشقانہ سوز و گداز میں مستغرق پیغمبر) کھڑے ہو جاؤ! (یعنی اپنے پیغمبرانہ مشن کی تکمیل اور فرائضِ رسالت کی ادائیگی کے لیے کمر کس لو) پس خبردار کر دو (یعنی تمہاری اِس جدّوجہد کا نقطۂ آغاز ہے لوگوں کو بعث بعد الموت، حشر و نشر، حساب کتاب، جزا و سزا اور جنّت و دوزخ کے بارے میں متنبّہ کر دینا) اور اپنے رَبّ کی تکبیر کرو! (یعنی تمہاری اِس جدّوجہد کی منزلِ مقصود ہے اپنے رَبّ کی کبریائی کا بالفعل قیام و نفاذ ـــــــ یا بالفاظِ دیگر 'اسلامی انقلاب'!)

'تکبیرِ رَبّ' کے مفہوم کی یہ عظمت اِس سے بھی بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل کی آخری آیت جو نہایت معجزانہ جامعیت کے ساتھ توحید کے علمی اور عملی تقاضوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے ختم ہوتی ہے اِن پُرجلال الفاظ پر کہ " وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْرًا " یعنی "اُس کی بڑائی کرو جیسے اور جتنا کہ اُس کی بڑائی کا حق ہے!" اور ظاہر ہے کہ اللہ کی کبریائی کا حق صرف یہی نہیں ہے کہ اُس کا اقرار کر لیا جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ اُسے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر بالفعل قبول کیا جائے!

② اقامتِ دین

'اسلامی انقلاب' کے لیے دوسری اور اہم ترین قرآنی اصطلاح 'اقامتِ دین' ہے چنانچہ سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۳ میں ارشاد ہوتا ہے:

"شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ ـــــــ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ ط

"(اللہ نے) راہ ڈال دی (یعنی مقرر کر دیا) تمہارے لیے دین (کے ضمن) میں وہی جس
کی تاکید کی تھی اُس نے نوحؑ کو' اور جس کی وحی کی ہم نے (اے نبیؐ) آپ کی جانب'
اور جس کی تاکید کی تھی ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو' کہ قائم کرو (یا قائم رکھو)
دین کو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اُس کے بارے میں"!

اِس آیۂ مبارکہ میں اگرچہ بعض نحوی مشکلات ہیں جن کی بنا پر مترجمین کے مابین اِس کے ترجمے میں قدرے اختلاف واقع ہوا ہے لیکن اِس امر پر جملہ مفسرین و محققین کا اجماع ہے کہ مختلف رسُولوں کو عطا ہونے والی شریعتوں کے مابین تو کسی قدر فرق و تفاوت رہا ہے۔ (بفحوائے الفاظِ قرآنی: "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا" (سورۃ مائدہ' آیت ۴۸) لیکن حضرتِ آدمؑ سے ایں دم تک دین ایک ہی رہا ہے اور اُسی کو قائم رکھنے یا قائم کرنے کا تاکیدی حکم ہر رسُول اور اُس کی وساطت سے اُس کی اُمّت کو دیا جاتا رہا ہے! —— یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی ملک کا آئین یا دستورِ اساسی تو قائم و دائم رہے لیکن اُس کے تحت تفصیلی قوانین میں وقتاً فوقتاً ردّ و بدل ہوتا رہے! گویا 'دین' مشابہ ہے دستور کے اور شریعت مشابہ ہے قانون کے۔

اب ظاہر ہے کہ ہر دَور میں اللہ کا دین متشکّل ہوا اُس دور کی شریعت کی صورت میں' لہٰذا ہر دَور میں اقامتِ دین کی واحد صورت یہی تھی کہ اس دَور کی شریعت کو بالفعل رائج و نافذ کیا جائے اور اب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے ختم اور دین کے کامل ہو جانے کے بعد اقامتِ دین کی کوئی صورت تنفیذِ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سوا نے موجود نہیں ہے!

اُس اصل 'دین اللہ' کی تعبیر کے ضمن میں جو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے اور تا قیامِ قیامت ایک ہی رہے گا' اگر خود قرآن ہی کی جانب رجوع کیا جائے تو سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۹ کے ابتدائی الفاظ "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" کی رُو سے صحیح ترین لفظ 'اسلام' ہے۔ البتہ اکثر محققین نے اُس اصل دین کی تعبیر کے لیے 'توحید' کا لفظ اختیار کیا ہے —— لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس سے اصل مراد و مطلوب کے اِعتبار سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اِس لیے کہ توحید کے دو جزو یا رُخ ہیں' ایک علمی و نظری و اعتقادی' اور دوسرا عملی'

اور توحید عملی کا تقاضا انفرادی سطح پر اس کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا کہ انسان بالفعل اور بالکلیہ 'بندہ رَبّ' بن جائے اور اجتماعی سطح پر اس کے تقاضے کی تکمیل کی واحد صورت ہے پورے نظامِ اجتماعی پر اللہ کے دین کی بالفعل اور غیر مشروط و بلا استثناء بالادستی یعنی 'تکبیرِ رَبّ' یا 'اقامتِ دین' یا 'اسلامی انقلاب'!

رہی یہ بات کہ 'اسلامی انقلاب' یا 'اقامتِ دین' کے اعتبار سے زیادہ اہمیت اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی اور دینِ حق کے نظامِ عدل و قسط کے قیام کو حاصل ہے تو وہ اس سے ثابت ہوتی ہے کہ سورۃ شوریٰ کی آیت ۱۳ میں 'اقامتِ دین' کے تاکیدی حکم کے فوراً بعد آیت ۱۵ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا کہ "وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ" (ترجمہ: اور مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہارے مابین انصاف کروں") اور آیت ۱۷ میں بڑے شاہانہ جلال کے ساتھ فرمایا گیا: "اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ" (ترجمہ: "اللہ وہ ہے جس نے کتاب بھی نازل فرمائی فیصلہ کن بات کے ساتھ اور میزان بھی نازل فرمائی!) ——— اور یہاں ظاہر ہے کہ میزان سے مراد وہ نظامِ عدل و قسط ہے جس میں ہر ایک کے حقوق و فرائض تولے جائیں! (اس موضوع پر مزید گفتگو ان شاء اللہ چوتھی اصطلاح کے ذیل میں ہو گی۔)

③ غلبۂ دینِ حق

'اسلامی انقلاب' کے لیے تیسری اور واضح ترین قرآنی اصطلاح ہے غلبۂ دینِ حق۔ چنانچہ قرآنِ حکیم میں تین مقامات پر (سورۂ توبہ آیت ۳۳، سورۂ فتح آیت ۲۸ اور سورۃ الصف آیت ۹) یہ الفاظِ مبارکہ بغیر ایک شوشے کے فرق کے وارد ہوئے کہ:

"ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ"

جس کا ترجمہ کسی قدر وضاحتی اضافوں کے ساتھ یوں ہو گا کہ:

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمدؐ) کو الہدیٰ (قرآنِ حکیم) اور دینِ حق (اسلام) کے ساتھ تاکہ وہ غالب کر دے اُس کو پورے کے پورے دین پر!"

اس آیۂ مبارکہ کے حتمی اور قطعی مدلول کے بارے میں بھی بہت کچھ قیل وقال پایا جاتا ہے۔ لیکن بادنیٰ تامّل معلوم ہو جاتا ہے (اور یہ بلا شبہ اعجازِ قرآن کا ایک اہم مظہر ہے) کہ جملہ احتمالات اور اختلافات کے باوجود اس کے مراد و مطلوب میں قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا ——— اس لیے کہ اس کے ضمن میں کُل قیل وقال 'وہ' کی ضمیرِ فاعلی اور 'اُس' کی ضمیرِ مفعولی کے مراجع کی تعیین کے گرد گھومتا ہے۔ چنانچہ ضمیرِ فاعلی بھی ممکنہ طور پر دو جانب رجوع کر سکتی ہے یعنی اللہ کی جانب یا رسولؐ کی جانب' اور ضمیرِ مفعولی کے بھی تین مراجع ممکن ہیں، ایک اللہ' دوسرے رسولؐ اور تیسرے دینِ حق ——— اور ان کا احصاء کیا جائے تو چھ تراجم ممکن ہیں۔ ۱۔ اللہ غالب کر دے خود اپنے آپ کو' ۲۔ اللہ غالب کر دے اپنے رسول کو' ۳۔ اللہ غالب کر دے دینِ حق کو' ۴۔ رسولؐ غالب کر دے اللہ کو (گویا یہ وہی مفہوم ہوا جو 'تکبیرِ رب' کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے) ۵۔ رسولؐ غالب کر دے دینِ حق کو' اور ۶۔ رسولؐ غالب کر دے خود اپنے آپ کو ——— اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ ان جملہ ممکنہ صورتوں کا مدلول و مراد ایک ہی ہے اس لیے کہ ایک طرف ہمارا ایمان ہے کہ اگرچہ عمل پر مکلف اور اُس کے کاسب انسان ہیں لیکن مؤثرِ حقیقی اور فاعلِ حقیقی اللہ کے سوا کوئی نہیں' چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت ۱۷ میں وارد شدہ الفاظ" فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى"۔ (ترجمہ: "اے مسلمانو! انہیں تم نے نہیں اللہ نے قتل کیا اور اے نبیؐ وہ مشتِ خاک جو آپ نے پھینکی تھی آپ نے نہیں اللہ نے پھینکی تھی!) اس پر نصِ قطعی کا درجہ رکھتے ہیں! گویا ؎ "ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ! ——— اور دوسری طرف غلبہ اللہ کا ہو یا اُس کے رسول کا یا اُس کے دین کا مضمون واحد ہے! فالحمدُ للہِ علیٰ ذٰلک۔

قرآن حکیم میں بغیر ایک شوشے کے فرق کے تین بار وارد ہونے والے اِن الفاظِ مبارکہ کی اہمیت پر اِس وقت تفصیلی روشنی ڈالنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ یہ اجمالی اشارہ ضروری ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے انہیں پورے قرآنِ مجید کا عمود یعنی مرکز و محور قرار دیا ہے اور فلسفۂ ولی اللّٰہی کے ایک اہم شارح مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم نے انہیں بین الاقوامی یا عالمی اسلامی انقلاب کا عنوان قرار دیا ہے۔ اور یہ بات تو ہر انسان بطورِ خود سمجھ سکتا ہے کہ ان

الفاظِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت کی اِتمامی اور تکمیلی شان بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا یہ سیرتُ النبیؐ کے صحیح فہم کے لیے بمنزلۂ کلید ہیں! ——— اور یہ بات پہلے عرض کی ہی جا چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیس سالہ مساعی کے ذریعے جزیرہ نمائے عرب میں فی الواقع تاریخِ انسانی کا جامع ترین اور محیّر العقول انقلاب برپا کیا جس کی نہایت وسیع و عریض علاقے تک توسیع ہوئی دورِ خلافتِ راشدہ میں' اور ہم 'اِستحکامِ پاکستان' میں حوالوں کے ساتھ وہ حدیثیں درج کر چکے ہیں جن کی رُو سے نبی اکرمؐ نے غیر مبہم الفاظ میں پیشگوئی فرمائی ہے کہ قیامت سے قبل دوبارہ پورے کرۂ ارضی پر دینِ حق کا غلبہ ہو کر رہے گا۔ اور بقول شاہ ولی اللہ دہلویؒ اُسی وقت سورۃ توبہ، سورۃ الفتح اور سورۃ الصّف کے اِن الفاظِ مبارکہ کی حقیقت بتمام و کمال جلوہ گر ہوگی! ——— گویا ایک عالمی اسلامی انقلاب اللہ کی وہ اٹل اور مُبرم تقدیر ہے جو بہرصورت پوری ہو کر رہے گی خواہ یہ بات مشرکوں کو کتنی ہی ناپسند ہو ("وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ") اور خواہ دنیا بھر کے کفار اور غیر مسلم اُس کا راستہ رُکنے کی کتنی ہی کوشش کر لیں ("وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ") ——— گویا بقول اقبالؒ ؎

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

الغرض، مستقبل کے عالمی اِسلامی انقلاب کے لیے قرآنِ حکیم کی تیسری اور واضح ترین اصطلاح ہے 'غلبۂ دینِ حق'۔

④ نصبِ میزانِ عدل

'اِسلامی انقلاب' کی چوتھی اور سب سے زیادہ 'انقلابی' تعبیر سورۃ حدید کی آیت ۲۵ میں وارد ہوئی ہے، جس کے بارے میں بلا خوفِ تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اتنی بھرپور اور گمبھیر انقلابی عبارت دنیا کے کسی انقلابی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ فرمایا گیا:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ
شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ

بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

اِس آیۂ مبارکہ کا ترجمہ بعض تشریحی اشارات کے ساتھ یوں ہوگا:

"یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں (یعنی معجزات و براہین) کے ساتھ بھیجا۔ اور اُن کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی، تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں اور (جو لوگ اِس میزانِ عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں، اُن کی سرکوبی کیلئے) ہم نے لوہا اُتارا جس میں (حرب و ضرب کی) شدید قوت ہے اور (اس کے ساتھ ساتھ) لوگوں کے لیے (کچھ دوسرے) فائدے بھی ہیں۔ اور (اِس سے اللہ کا اصل مقصد یہ ہے) کہ اللہ (ایمان کا دعوےٰ کرنے والوں کو آزمائے اور یہ) دیکھے کہ (اُن میں سے) کون ہیں جو (لوہے کی حربی قوت کے استعمال کے ذریعے) مدد کرتے ہیں اُس کی اور اُس کے رسولوں کی غیب میں رہتے ہوئے۔ (ورنہ) یقیناً اللہ (خود) نہایت زورآور اور مختارِ مطلق ہے۔"!

اِس آیۂ مبارکہ نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ:

اوّلاً ــــــــ شریعتِ خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزانِ عدل و قسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض تولے جانے چاہئیں اور جس کا اصل مقصد مرد اور عورت، فرد اور جماعت، اور سرمایہ اور محنت کے مابین حقوق و فرائض کا 'توازن' پیدا کرنا ہے۔

ثانیاً ــــــــ بعثتِ انبیاء و رُسل اور نزولِ وحی و کُتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل و قسط بالفعل نصب ہو اور جسے کچھ ملے اُس میں تُل کر ملے اور جس سے کچھ لیا جائے اُس میں تول کر لیا جائے اور اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ع

"گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!"

کے مصداق رسولوں کے ساتھ عشق و محبت کے دعوے باطل اور کتابِ الٰہی کی تلاوت و قرأت کا ذوق و شوق بے مقصد ہو جاتا ہے۔

ثالثاً ــــــــ اِس میزانِ عدل و قسط کو عملاً نصب کرنے کے ضمن میں جہاں اصل کام

دعوت و تبلیغ، وعظ و تلقین، اِنذار و تبشیر اور ترغیب و ترہیب سے لیا جاتے گا وہاں قوت و طاقت کا اِستعمال بھی قطعاً غلط یا مُطلقاً ناجائز نہیں، بلکہ حسبِ ضرورت نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔

رابعاً ـــــــ جس طرح انسان کی حیاتِ دُنیوی کا اصل مقصد از رُوئے قرآن ابتلاء و آزمائش ہے، ـــــــ ذہن میں لائیے سورۃ الملک کی آیت ۲: "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (ترجمہ: "اللہ نے موت و زندگی کا یہ سلسلہ اِسی لیے بنایا ہے کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں بہترین عمل کرنے والا") اور علامہ اقبال کا یہ نہایت حکیمانہ شعر کہ ؎

قُلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب اِس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

اِسی طرح انبیاء و رُسل کی بعثت اور کتاب و شریعت کے نزول کا مقصد اُن لوگوں کے خلوص اور صداقت کا اِمتحان ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان کے دعوے دار ہوں کہ آیا وہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل کو بالفعل نصب کرنے اور اِسلام کے نظامِ عدل و قسط کو عملاً نافذ کرنے میں تن من دھن کھپاتے حتّٰی کہ وقت آنے پر نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آتے ہیں یا نہیں!

خامساً ـــــــ وہ صاحبِ ایمان جو اِس اِمتحان میں پورے اُتریں اللہ کے نزدیک بلند ترین مقام و مرتبہ کے مستحق ہوں گے، یہاں تک کہ اللہ اور اُس کے رسولوں کے 'مددگار' قرار پائیں گے۔

قرآن حکیم کے طالب علم جانتے ہیں کہ اِس کتابِ عزیز کا ایک مستقل اصول یہ ہے کہ اِس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ بعینہٖ سورۂ حدید کی اِس آیت ۲۵ کی طرح سورۂ شوریٰ کی آیت ۱۷ میں بھی کتاب و میزان کا ذکر یکجا وارد ہوا ہے ـــــــ اِسی طرح اللہ اور اُس کے رسول کی نصرت کا ذکر جس انداز میں سورۂ حدید کی اِس آیت کے آخر میں آیا ہے، بالکل اُسی طرح سورۂ صف کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے! اور ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ سورۂ صف کی مرکزی آیت وہی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت بیان

ہوا ہے۔ یعنی (ترجمہ) "وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو الہدٰی اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ غالب کر دے اُسے پورے کے پورے دین پر" ــــــ گویا سورۃ شوریٰ میں وارد شدہ اصطلاح 'اقامتِ دین' سورۃ صف، سورۂ فتح اور سورۂ توبہ میں وارد شدہ تصورِ 'غلبۂ دین' اور سورۃ حدید میں وارد شدہ تعبیر یعنی نصبِ میزانِ عدل' سب کا مراد و معنیٰ ایک ہی ہے یعنی 'اسلامی انقلاب' اور بات وہی ہے کہ ع "اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں"!

⑤ دین کا بالکلیہ اللہ کے لیے ہو جانا

کون نہیں جانتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس سالہ انقلابی جدّ و جہد کا ایک اہم اور نمایاں مرحلہ 'قتال فی سبیل اللہ' یعنی اللہ کی راہ میں جنگ بھی تھا جو اندرونِ ملکِ عرب بھی سوا چھ برس جاری رہا۔ اِس لیے کہ پہلا باضابطہ مسلح تصادم رمضان ۲ھ میں بدر کے میدان میں ہوا تھا ــــ اور رمضان ۸ھ میں فتح مکّہ کے بعد بھی ۸ھ کے اواخر تک غزوۂ حُنین اور محاصرۂ طائف کی صورت میں جاری رہا۔

یہ مرحلہ کب اور کیسے شروع ہوا اور ان سوا چھ سالوں کے دَوران اِس میں کیا کیا نشیب و فراز آئے، اِس موضوع پر تو مفصّل گفتگو آئندہ 'مراحلِ انقلاب' کے ضمن میں ہوگی، اِس وقت صرف اِس حقیقت کی جانب اشارہ مقصود ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کے منتہائے مقصود کے بیان کے ذیل میں، متذکرہ بالا اصُول کے عین مطابق، قرآنِ حکیم میں دو مقامات پر 'اسلامی انقلاب' کے لیے پانچویں اصطلاح وارد ہوئی ہے یعنی یہ کہ:

"فتنہ فرو ہو جائے اور دین بالکلیہ اللہ ہی کے لیے ہو جائے"!

چنانچہ سورۃ الانفال کی آیت ۳۹ میں ارشاد ہوا:

"وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ"

"اور اُن سے جنگ جاری رکھو حتّٰی کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ ہی کے لیے ہو جائے"!

اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۳ میں بھی یہ الفاظِ مبارکہ صرف ایک لفظ 'کُلّہٗ' کے سوا جُوں کے توں وارد

ہوتے ہیں۔

یہ بات تو اس سے قبل وضاحت کے ساتھ عرض کی ہی جا چکی ہے کہ 'دین' اصطلاحِ قرآنی میں 'نظامِ اطاعت' کے ہم معنی ہے اور دین کے بالکلیہ اللہ کے لیے ہو جانے کا مفہوم یہ ہے کہ نظامِ اجتماعی اپنے جملہ پہلوؤں سمیت بالکلیہ و بلا استثنار اطاعتِ خداوندی کا پابند اور احکامِ خداوندی کے تابع ہو جائے۔ جہاں تک احوالِ شخصیہ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اس معاملے میں مسلمان تو لامحالہ اللہ کے دین کے تابع ہی ہوں گے' البتہ غیر مسلم اس معاملے میں مستثنیٰ رہیں گے' چنانچہ عقائد' عبادات اور دیگر شخصی معاملات میں انہیں آزادی حاصل رہے گی۔

'فتنہ' عربی زبان میں کسوٹی کو کہتے ہیں جس پر رگڑنے سے کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کیا جا سکتا ہے اور اصطلاحِ قرآنی میں ہر وہ شے یا امر یا حالت و کیفیت 'فتنہ' ہے جس سے کسی صاحبِ ایمان کا ایمان امتحان اور آزمائش سے دوچار ہو جائے! ——— چنانچہ ایک جانب وہ تمام چیزیں فتنہ کے حکم میں ہیں جن کی جانب میلان اور رغبت انسان میں طبعی طور پر موجود ہے' جن میں سرِفہرست ہیں مال اور اولاد ——— اور دوسری جانب معاشرے پر غیر اسلامی رجحانات کا غلبہ اور ریاست و حکومت پر غیر اللہ کا حاکمانہ تسلط عظیم ترین فتنہ ہیں اور اسی کو فرو کر کے نظامِ اجتماعی پر احکامِ خداوندی کی بالادستی کا بالفعل قیام ہی قتال فی سبیل اللہ کا آخری ہدف ہے۔

⑥ حدیثِ نبویؐ کی اصطلاح

اعلاء کلمۃ اللہ

قتال فی سبیل اللہ ہی کے ضمن میں امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں متعدد ابواب میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت درج کی ہے کہ اس سوال کے جواب میں کہ کوئی شخص مالِ غنیمت کے حصول کی نیت سے قتال فی سبیل اللہ میں حصہ لیتا ہے' کوئی کسی قومی یا علاقائی حمیت و عصبیت کی بنا پر جنگ میں شرکت کرتا ہے' کوئی محض اپنی شجاعت کے اظہار اور شہرت کے حصول کے

لیے دادِ شجاعت دیتا ہے تو اِن میں سے فی الواقع "اللہ کی راہ" میں کون ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ"

"جو جنگ کرے صرف اِس مقصد کی خاطر کہ اللہ کی بات سب سے اُونچی ہو جائے وہی اللہ کی راہ میں ہے!"

واضح رہے کہ سورۂ توبہ کی آیت ۴۰ میں یہ حقیقت جُملۂ اِسمیہ کی صورت میں ایک امرِ واقعی کے طور پر بیان ہوئی ہے کہ "وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا" ترجمہ: "اللہ کی بات تو سب سے اُونچی ہے ہی!" ——— گویا جیسے 'تکبیرِ رَبّ' کے ضمن میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اگرچہ آسمانوں اور زمین میں 'کبریائی' استحقاقاً (De Jure) بھی اللہ ہی کے لیے ہے اور بالفعل (De Facto) بھی اللہ ہی کے لیے ہے لیکن انسانی زندگی کے محدود سے اختیاری دائرے میں بالعموم انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اللہ کی کبریائی کو چیلنج کر دیا جاتا ہے، لہٰذا بندۂ مومن کا فرض ہے کہ اللہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اِس چیلنج کا مقابلہ کرے اور کم از کم نظامِ اجتماعی پر اللہ کی کبریائی کو بالفعل نافذ کر دے۔ اسی طرح اگرچہ فی الحقیقت تو اللہ ہی کی بات سب سے اُونچی ہے لیکن چونکہ بالعموم اِنسان اپنے نفس کی خواہشات و شہوات اور اپنے ذہن کے تراشیدہ نظریات و قوانین کو اللہ کی بات سے بلند تر کر دیتے ہیں لہٰذا جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ "حق بحقدار رسید" والا معاملہ ہو اور اللہ کی بات سب سے اونچی اور اللہ کا جھنڈا سب سے بلند ہو جائے اور اِسی کا نام 'اسلامی انقلاب' ہے!

⑦ انجیل کی اصطلاح

خدائی بادشاہت

انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے مواعظ و نصائح میں جا بجا خدا کی بادشاہی اور آسمانی بادشاہت کا ذکر آتا ہے اور اگرچہ بعض مواقع پر اُس کے مفہوم کے تعیّن میں کوئی متصوّفانہ

یا اِس عالَم سے ماورائی (Other-Worldly) تعبیر اختیار کرنے کی گنجائش ہوتی ہے لیکن متّی کی انجیل میں شامل مشہور و معروف "پہاڑی کے وعظ" (Sermon of the Mount) میں وارد شدہ حسب ذیل الفاظ کے بارے میں تو ہرگز کسی شک و شبہ کی گنجائش موجود نہیں ہے کہ اِن کا مفہوم بالکل وہی ہے جو تکبیرِ ربّ کا، یا اقامتِ دین کا، یا غلبۂ دینِ حق کا، یا اعلاءِ کلمۃ اللہ کا:

"Thy Kingdome come.
Thy will be done in earth as it is in heaven."

(Mathew 6:10 — King James version)

ترجمہ: "اے ربّ! تیری بادشاہت آئے۔ (اور) تیری مرضی زمین میں بھی (اُسی طرح) چلے، جیسے آسمان میں چلتی ہے!"

واضح رہے کہ یہ الفاظ اُس "Lord's Prayer" میں شامل ہیں جس کی حیثیت و اہمیت عیسائیوں کے یہاں بالکل وہی ہے جو ہمارے یہاں سورۃ فاتحہ کی!

راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ اب سے لگ بھگ پچیس سال قبل جب راقم نے نہایت انہماک سے انجیل کا مطالعہ کیا تھا تو حضرت مسیح کے مواعظ میں "Kingdom of Heaven" بلکہ "Kingdom of Heaven on Earth" کے الفاظ بھی پڑھنے میں آتے تھے، لیکن اِن سطور کی تحریر کے وقت فوری طور پر اِن کا حوالہ نہیں مل سکا ——— بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ 'اسلامی انقلاب' کے لیے انجیل کی قدیم اصطلاح ہے: "خدائی بادشاہت کا قیام"!

بیسویں صدی عیسوی کی اصطلاحات

راقم الحروف اپنی تحریر "اُمّتِ مسلمہ کا عروج و زوال"[1] میں تفصیلاً اور اپنی تالیف "استحکامِ پاکستان" میں اختصاراً عرض کر چکا ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کو اُمّتِ مسلمہ کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔ اِس صدی کے اوائل میں (پہلی جنگِ عظیم کے بعد) اُمّتِ مسلمہ

---

[1] یہ تحریر اردو میں راقم کی تالیف 'سرافگندیم' میں شامل ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ بھی 'The Rise And Fall of the Muslim Ummah' کے نام سے طبع ہو چکا ہے۔

اپنی چودہ سو سالہ تاریخ کے دوسرے دورِ زوال کی انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ اس کے بعد کے پچاس ساٹھ سال کا عرصہ ایک عجیب نقشہ پیش کرتا ہے، یعنی یہ کہ ایک جانب زوال کے سائے بھی مزید گہرے ہو رہے ہیں تو دوسری جانب ایک ہمہ جہتی احیائی عمل کا آغاز بھی ہو گیا ہے۔ اور اُمتِ مسلمہ بحیثیتِ مجموعی اپنے تیسرے اور آخری عروج کی جانب پیشقدمی شروع کر چکی ہے۔ اس گمبھیر احیائی عمل میں جہاں قومی اور سیاسی تحریکیں بھی برسرِ کار رہیں، اور مذہبی اور اصلاحی تحریکیں بھی پروان چڑھیں وہاں ایسی خالص احیائی و انقلابی تحریکوں کا بھی آغاز ہوا جن کا مطمحِ نظر دینِ حق کی کامل تجدید یا کُلّی اسلامی انقلاب تھا۔ ان تحریکوں کے داعیوں نے اُسی ضرورت کے پیشِ نظر جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، یعنی یہ کہ ہر دَور میں ابلاغ کا حق ادا کرنے کے لیے اُس دَور کے مخصوص محاورے (Idiom) میں کلام لازم ہوتا ہے، تکبیرِ رَبّ، یا اقامتِ دین، یا غلبۂ دین، یا اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے مختلف اوقات و مراحل پر مختلف اصطلاحات کو ابلاغِ عام کا ذریعہ بنایا جن میں سے تین درج ذیل ہیں۔ (تا کہ سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۶ میں وارد شدہ الفاظ "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" سے مشابہت پیدا ہو جائے۔)

⑧ حکومتِ الٰہیہ کا قیام

اِن میں سے اہم ترین اصطلاح جسے اِس صدی کے اوائل میں متعدد اصحابِ دعوت و عزیمت نے استعمال کیا، 'حکومتِ الٰہیہ کا قیام' ہے۔

اِس اصطلاح کو سب سے پہلے 'الہلال' اور 'البلاغ' کے مدیر اور 'حزبُ اللہ' کے مؤسس و امیر مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے استعمال کیا تھا۔ پھر جب وہ بعض علماء کی مخالفت و مزاحمت سے بددل ہو کر بالکلیہ جہادِ حریت میں مصروف اور انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو گئے تو اُن کے مشن کو اُن ہی کی ایجاد کردہ اصطلاح کے حوالے سے ازسرِ نو شروع کیا مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم، مدیرِ 'ترجمان القرآن' اور بانیٔ جماعتِ اسلامی نے، اِسی طرح اِس اصطلاح کو اختیار کیا خاکسار تحریک کے داعی و سربراہ علامہ عنایت اللہ مشرقی مرحوم کے علاوہ بعض دوسرے نسبتاً غیر معروف اصحاب مثلاً خیری برادران وغیرہم نے!

اِس اصطلاح کے پس پردہ دو حقائق لائقِ توجہ ہیں:

ایک یہ کہ چونکہ عالمی سطح پر یہ دَور سیاسی تحریکوں کا تھا جن کا ہدف حکومت ہوتی ہے (معاشی تحریکوں کا معاملہ ابھی صرف یورپ تک محدود تھا جہاں 'انقلابِ روس' ابھی تازہ تازہ ہی برپا ہوا تھا) لہٰذا 'حکومتِ الٰہیہ' کا لفظ نہایت آسان اور قریب الفہم تھا!

دوسرے یہ کہ اُس دَور میں پورا عالمِ اسلام یورپ کی عیسائی اقوام کے زیرِ تسلّط تھا اور بالخصوص ہندوستان تو انگریزوں کا براہِ راست غلام تھا، جنہوں نے یہاں عیسائیت کی تبلیغ کا سلسلہ بھی پورے زور شور سے جاری کر رکھا تھا ——— لہٰذا اِس پس منظر میں 'حکومتِ الٰہیہ' کا لفظ ہی موزوں ترین تھا، اِس لیے کہ یہ پُورا ہم پلہ اور کامل مدِ مقابل تھا 'خدائی بادشاہت' کا!

بہرحال بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل کے دَوران جُملہ احیائی و تجدیدی مساعی کے آخری ہدف اور نصبُ العین کی تعبیر کے لیے سب سے زیادہ استعمال ہونے والی اِصطلاح حکومتِ الٰہیہ کا قیام تھی! ——— اگرچہ جماعتِ اسلامی کی حد تک مولانا امین احسن اِصلاحی کی شمولیت کے بعد سے اُن کے زیرِ اثر اِس کی جگہ 'اقامتِ دین' کی ٹھیٹھ قرآنی اِصطلاح اِستعمال ہونے لگی اور تاحال جماعت کے اصحابِ علم و دانش کے حلقے میں اِسی کا سکّہ رواں ہے۔

⑨ قیامِ نظامِ اسلامی

۴۸-۱۹۴۷ء میں جب جماعتِ اسلامی پاکستان نے پاکستان کی عملی سیاست کے میدان میں اُترنے کا فیصلہ کیا تو فطری طور پر 'حکومتِ الٰہیہ' اور 'اقامتِ دین' کی جگہ کسی ایسی اِصطلاح کی ضرورت محسوس ہوئی جو زیادہ آسان اور عوام النّاس کے لیے قابلِ فہم ہو۔ چنانچہ پاکستان میں مولانا مودودی مرحوم کی پہلی عوامی تقریر کا عنوان قرار پایا "مطالبۂ نظامِ اسلامی" اور اِس کے بعد لگ بھگ رُبع صدی تک یہی اِصطلاح جماعت کے عوامی مقرّروں کی تقریروں کا عنوان بنی رہی۔ چنانچہ اُس دَور کے لسانِ طائفہ، جناب نعیم صدیقی نے اپنی ایک رجزیہ نظم میں فرمایا تھا:

"بول شہرِ نظامِ اسلامی — کیا ترے سقف و بام کہتے ہیں!
تیرے در پہ کھڑے ترے والی — آج تجھ کو سلام کہتے ہیں!!"

⑩ نفاذِ نظامِ مصطفیٰ

اِس سلسلے کی آخری اِصطلاح 'نفاذِ نظامِ مصطفیٰ' صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو ۱۹۷۷ء میں 'متحدہ قومی محاذ' (P.N.A.) کی تحریک کا عنوان بنی اور جس سے کچھ عرصے کے لیے پاکستان کا کامل طول و عرض اُسی طرح گونج اُٹھا جیسے ۴۷-۱۹۴۶ء میں پورا برِعظیم پاک و ہند "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ" کے نعرے سے گونج اُٹھا تھا ——— اور اُس موقع پر 'نظامِ اسلامی' کی جگہ 'نظامِ مصطفیٰ' کی اصطلاح کچھ تو اِس بنا پر اختیار کی گئی کہ عوامی تحریکوں میں جذبات کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے اور ہر مسلمان کو قطعِ نظر اِس سے کہ وہ باعمل ہو یا بے عمل، اور متقی ہو یا فاسق و فاجر، بہرصورت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات سے جو جذباتی وابستگی ہے اُس کی بنا پر اُس کے جذبات میں جو اہتزاز و ارتعاش نظامِ مصطفیٰ کے الفاظ سے ہوتا ہے وہ نظامِ اسلامی سے نہیں ہوتا ——— اور دوسرا اور اہم تر معاملہ جماعتی اور فرقہ وارانہ مصلحتوں کا تھا۔ اِس لیے کہ نظامِ اسلامی کے الفاظ سے جس جماعت کی طرف ذہن لامحالہ منتقل ہوتا ہے وہ ہے جماعتِ اسلامی، جبکہ نظامِ مصطفیٰ کی اِصطلاح ایجاد ہے بریلوی مکتبِ فکر کے علماء و قائدین کی۔

بہرحال ہماری موجودہ بحث کی حد تک اِس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ اِس لیے کہ ہمارے پیشِ نظر اِس وقت صرف اِس امر کی وضاحت ہے کہ اگرچہ 'اِسلامی انقلاب' بلاشبہ ایک جدید اور حادث اِصطلاح ہے تاہم اِس کا مفہوم قدیم ہے ——— اور وہ وہی ہے جو قرآنی اِصطلاحات 'تکبیرِ رب'، 'اقامتِ دین'، 'غلبۂ دینِ حق'، 'نصبِ میزانِ عدل' اور "یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ" ——— اور حدیثِ نبویؐ کی اِصطلاح "لِتَکُوْنَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا" کا ہے۔ اور اِس کا مطلوب و مقصود وہی ہے جو انجیل کی اِصطلاح میں 'خدائی بادشاہت'، اور بعض دینی تحریکوں کی اختیار کردہ اِصطلاح کے مطابق 'حکومتِ الٰہیہ' ——— 'نظامِ اسلامی' اور 'نظامِ مصطفیٰ' کے قیام کا ہے! ——— آئندہ باب میں 'ان شاء اللہ العزیز' ہم یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ اُس نظامِ عدلِ اجتماعی کے بنیادی اصول کیا ہیں جس کا قیام 'اِسلامی انقلاب' کا مقصود و مطلوب ہے اور اُس سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کے اہم خدوخال کیا ہوں گے جو اُس کے نتیجے میں قائم ہوگا۔ تاکہ "اِسلامی انقلاب: کیا؟" کا جواب مکمل ہو جائے۔

ooo

ADARTS-SUA-1/85

رُودادِ سفر

امیرِ تنظیمِ اسلامی کے ساتھ سندھ میں بارہ دِن

مقبول الرحمٰن مفتی

گزشتہ سال امیرِ تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو پہلی مرتبہ سکھر ڈویژن کے چار مقامات کندھ کوٹ، مبارکپور، گاڑھی موری اور سکھر کے دورے کے دوران اندرونِ سندھ کے عوام سے براہِ راست رابطے اور تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ جس کے نتیجے میں حالات کی سنگینی اور جذبات کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ۹ مئی ۸۶ء کو جامع دارالسلام باغِ جناح میں خطبہ جمعہ کے دوران اس عزم کا اظہار کیا کہ آئندہ انشاء اللہ وہ قیامِ لاہور کے دوران ہر ماہ دس روز اندرون سندھ کے لئے وقف کیا کریں گے۔ لیکن اس اعلان کے بعد پے بہ پے ایسے حالات رونما ہوتے رہے کہ اس وعدے کے ایفاء کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔ اس خطاب کے دو ہی روز بعد رمضان کا آغاز ہو گیا اور یہ پورا رمضان دورہ ترجمۂ قرآن کے پروگرام کے لئے کراچی میں گزرا۔ عیدالفطر کے فوراً بعد جون کے اواخر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور انجمن خدام القرآن کے ناظم اعلیٰ جناب قمر سعید قریشی سکنڈے نیوین ممالک کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ جولائی اور اگست ۸۶ میں کینیڈا اور شمالی امریکہ کے ۴۲ روزہ دورے کا پروگرام تو بہت پہلے سے طے تھا۔ ۲۲ اگست کو اس دورے کے اختتام پر عمرے کی ادائیگی کے بعد امیر محترم اور جناب قمر سعید قریشی واپس لاہور پہنچے۔ ستمبر میں لاہور میں بالخصوص اور پنجاب کے کچھ دوسرے شہروں میں شیعہ سنّی تصادم کے بعد امیرِ محترم کے کراچی داخلے پر پابندی عائد کر دی گئی اور سندھ کے جن دیگر مقامات پر بھی جانے کا پروگرام بنایا گیا وہیں وہیں پابندی عائد ہوتی چلی گئی۔ پھر ۲۷ ستمبر کو امیر محترم کے بھانجے عبداللہ طاہر سیال اور داماد محمد حمید احمد کی اندوہناک حادثاتی اموات کا سانحۂ جانکاہ پیش آگیا۔ گویا یہ " درد بر درد دگر زخمے بجائے مرہمے " کی سی کیفیت کا سامنا تھا۔ غم واندوہ کی اسی کیفیت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نومبر میں عازمِ حجاز ہوئے تاکہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے کے بعد " خانۂ خدا " میں بیٹھ کر اس تعلق کے دین کو غالب کرنے کی جدّوجہد یعنی اسلامی انقلاب کے مراحل کا وہ نقشہ سپردِ قلم کریں جو اُن کی عمر بھر کی سوچ اور جستجو کا حاصل ہے۔ لیکن کراچی کے حالات سے

ان کی طبیعت اس قدر متاثر ہوئی کہ " اسلامی انقلاب کیا۔ کیوں اور کیسے " کی بجائے اُن کا قلم " استحکام پاکستان " اور مسئلہ سندھ " کی تالیف کی طرف چل نکلا۔

روزنامہ " جنگ " کے تمام ایڈیشنوں میں اس کتاب کی بالاقساط اشاعت اور کتابی صورت میں بھی ایک ماہ سے کم مدت میں اس کے پہلے ایڈیشن کی ہاتھوں ہاتھ پذیرائی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ضرورت محسوس کی کہ انہوں نے سندھ سے باہر لاہور میں بیٹھ کر جو تجزیہ پیش کیا ہے اُس کے ردّعمل کا بچشم خود مشاہدہ کریں۔ یوں مئی ۱۹۸۶ء میں کئے گئے اس وعدے کی تکمیل کی صورت فروری ۱۹۸۷ء میں پیدا ہو گئی۔

دورۂ سندھ کے اس بارہ روزہ پروگرام کا آغاز ۸ فروری کو کراچی میں رفقاء کے اجتماع سے ہوا۔ امیر محترم نے اجتماع کے آغاز پر رفقاء کو سوالات اور تبادلہ خیال کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ اب تنظیمی اجتماعات میں مَیں نے تقریر یا درس کا سلسلہ بند کر دیا ہے کیونکہ جو فکری اور علمی رہنمائی میں دینا چاہتا ہوں وہ تفصیلی طور پر ریکارڈ شدہ کیسٹوں میں موجود ہے۔ ان اجتماعات کا بنیادی مقصد عملی مشکلات کو سمجھنا اور ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہی حاصل کرنا ہے۔ پھر انہوں نے مسئلۂ سندھ اور مہاجر قومی موومنٹ کے بارے میں رفقاء سے اُن کے اپنے اور عوام کے تاثرات دریافت کئے۔ اگرچہ تقریباً ستّر کے لگ بھگ رفقاء کے اجتماع میں کوئی صاحب بھی صورت حال پر بھرپور روشنی تو نہ ڈال سکے۔ البتہ مختلف حضرات نے مختلف گوشوں اور پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ کئی رفقاء نے متحدہ شریعت محاذ کی جدوجہد کے بارے میں اور امیر تنظیم کی طرف سے ایم آر ڈی کے سیاسی مؤقف کی حمایت کے بارے میں الجھنوں کا اظہار کیا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے ملک میں سیاسی عمل کی آزادی کی اہمیت اور ملکی سالمیت کے لئے اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی تو دو رفقاء کی طرف سے بالکل مختلف آراء کا اظہار ہوا۔ ایک صاحب کا کہنا تھا کہ اگر ملکی سالمیت کے لئے سیاسی آزادیوں کا حصول اتنا ہی لازم اور لابدی ہے تو ہمیں تائید و حمایت سے بڑھ کر اس میں عملاً حصہ لینا چاہیئے۔ یعنی ایم آر ڈی کی تحریک میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ جبکہ ایک رفیق کی رائے یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب کی سیاسی پیش قدمی کی رفتار تنظیم اسلامی کے ڈھانچے اور رفقاء کے سیاسی شعور سے کہیں آگے ہے۔ امیر محترم نے اس بحث کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مختلف رفقاء کو کو اظہار خیال کرنے کی دعوت دی۔ آخر میں شیخ جمیل الرحمٰن صاحب اور ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے اظہار خیال کیا۔ اس بحث سے یہ عمومی رائے سامنے آئی کہ اس وقت تنظیم کی پالیسی اور رفتارِ کار

مجموعی اعتبار سے درست ہے۔ اس وقت اس سے بڑھ کر کوئی قدم اٹھانا مناسب نہیں ہوگا۔ بلکہ سردست ہمیں عملاً اپنی ساری توجہ دعوت و تنظیم اور رفقاء کی ذاتی اصلاح اور تزکیہ پر مرکوز رکھنی چاہئیے۔

۹ر فروری کا دن سراج الحق سیّد صاحب کی رہائش گاہ پر کراچی کے ذمّہ دار حضرات کے ساتھ مشورے میں گزرا جس کے دوران مسئلہ سندھ کے حوالے سے آنے والے حضرات کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اگرچہ پروگرام کے مطابق رات کو تاج محل ہوٹل میں " الھدیٰ " کے سٹے کا درس قرآن طے تھا لیکن ہوٹل کی انتظامیہ کی فروگذاشت کی وجہ سے کسی دوسرے پانچ روزہ پروگرام کے لیے ڈبل بکنگ ہوجانے کی وجہ سے درس کے پروگرام کو مدینہ مسجد فیڈرل بی ایریا میں منتقل کرنا پڑا۔ جہاں امیر محترم نے ' غلبۂ دین کیا ؟ کیوں اور کیسے ؟' کے عنوان سے مراحلِ انقلاب کی تشریح و تفصیل بیان کی۔ خطاب کے آخر میں اعلان کیا گیا کہ جو حضرات اس درس یا ' مسئلہ سندھ' کے بارے کوئی سوال یا گفتگو کرنا چاہیں وہ اگلے روز تنظیم اسلامی کراچی کے دفتر تشریف لائیں۔ جہاں صبح دس بجے سے ایک بجے تک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب انفرادی طور پر آنے والوں سے ملاقاتیں کریں گے۔

دس فروری کو مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب سے مختصر ملاقات کرتے ہوئے دفتر پہنچے جہاں کچھ لوگ امیر محترم سے ملاقات کیلئے منتظر تھے۔ ایک بجے تک ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ ملاقات کے لئے آنے والوں کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ اکثر حضرات کی گفتگو مہاجرین کے حقوق اور قومی تحریک کے محرکات و عوامل کے گرد ہی گھوم رہی تھی۔ اگرچہ ان میں تنظیم کے کچھ رفقاء بھی شامل تھے لیکن سب حضرات کے جذبات اور رائے پر کراچی کے حالات و حادثات اور ماحول کی کشیدگی کے اثرات نمایاں تھے۔ آخر میں ایک دینی دار العلوم کے دو طالب علم بھی تشریف لائے۔ جنہوں نے تنظیم اسلامی ، اقامت دین اور تفسیر بالرائے کے بارے میں بڑی سنجیدہ اور پُرمغز گفتگو کی۔

ملاقاتوں سے فارغ ہوکر نمازِ ظہر کے وقت واپس پہنچے تو حضرت مولانا عبید اللہ درخواستی کے فرزندِ رشید مولانا فداء الرحمٰن درخواستی صاحب کی طرف سے ٹیلی فون پر شدید تقاضا ہوا کہ آج رات بعد نماز عشاء میر پور خاص میں شریعت محاذ کے جلسہ عام میں ڈاکٹر صاحب ضرور تشریف لائیں۔ جبکہ مغرب کے بعد ڈیفنس سوسائٹی میں فاران کلب کے زیرِ اہتمام ایک خطاب کا پروگرام پہلے سے طے تھا جس کے لئے دعوت نامے بھی جاری کئے گئے تھے اور اخبار میں اشتہار بھی چھپ چکا تھا۔

اس عقدے کو سلجھانے کے لئے ڈاکٹر صاحب نے خود مولانا فداء الرحمٰن درخواستی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا فیصلہ کیا تاکہ بالمشافہ گفتگو کر کے معذرت کی جائے۔ لیکن ملاقات کے دوران کچھ ایسی صورت بنی کہ انکار کرنا بھی ممکن نہ رہا۔ اس لئے یہ طے ہوا کہ فاران کلب میں تقریر سے فارغ ہوتے ہی میرپور خاص کے لئے روانہ ہوں گے۔ فاران کلب کے جلسے میں "وحدتِ ملی اور سیرتِ رسولؐ" کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بیسویں صدی کے اوائل سے لے کر اب تک مغربی استعمار کی اُن سازشوں کا ذکر کیا جن کے نتیجے میں عالم اسلام کی وحدت پارہ پارہ ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ ہمارا موجودہ قومی انتشار بھی اُسی تخریبی عمل کا ایک تسلسل ہے۔ لیکن اس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ انحطاط اور تخریب کے ساتھ ساتھ ایک احیائی اور تعمیری عمل بھی غیر محسوس طریقے سے جاری ہے جس کے نتائج انشاء اللہ اپنے وقت پر رونما ہوں گے۔ البتہ فوری طور پر قومیتوں کے تصوّر کا علاج اُن کی کامل نفی کے ذریعے بھی ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اسلام اور پاکستان کی حدود میں رہتے ہوئے ملک کے تمام علاقوں کے لوگوں کی شکایات کو سننا چاہیئے اور اُن کے ازالے کے ساتھ ساتھ ان کی زبان ثقافت اور روایات کو بھی مناسب تحفظ دینا چاہیئے۔ اس خطاب کا اختتام پونے آٹھ بجے ہوا۔ مولانا فداء الرحمٰن درخواستی مدظلہٗ کی بھیجی ہوئی گاڑی پہنچ چکی تھی جلسہ گاہ سے نکلتے نکلتے آٹھ بج گئے۔ اس سفر میں جناب مختار حسین فاروقی بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ ساڑھے تین گھنٹے کی نان سٹاپ ڈرائیونگ اور ڈیڑھ سو میل کا سفر طے کر کے رات ساڑھے گیارہ بجے میرپور خاص کے سبزی منڈی چوک میں پہنچے تو متحدہ شریعت محاذ کا جلسہ جاری تھا۔ محاذ کے سیکرٹری جنرل اور جماعتِ اسلامی پاکستان کے قیّم قاضی حسین احمد صاحب کا خطاب آخری مرحلے میں تھا۔ ہم سیدھے سٹیج پر پہنچے۔ تقریباً دس منٹ بعد ڈاکٹر صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ اور تھکاوٹ کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے نہایت جم کر بھرپور انداز میں ۲۵ منٹ تک خطاب کیا۔ غالباً شریعت محاذ کا یہ پہلا جلسہ تھا جس میں امیر محترم نے شریعت بل اور اس کی منظوری کی جدّوجہد کے مختلف پہلوؤں پر جامع اور مدلّل تبصرہ کیا۔ متحدہ شریعت محاذ کی تین اہم خصوصیات جن کا اجمالی تذکرہ امیر محترم نے پشاور میں محاذ کے جلسہ عام میں اپنے مختصر ترین خطاب میں پہلی مرتبہ کیا تھا ان کو یہاں قدرے وضاحت سے بیان کیا۔ یعنی ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے بعد اور ان کی سربراہی اور سرپرستی میں منعقد ہونے والے جمعیت علمائے ہند کے کل ہند اجتماعات کے بعد برِعظیم پاک و ہند کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ تمام مکاتیب فکر کے جید علمائے کرام کسی وقتی اور ہنگامی مقصد یا کسی

ایک مسئلے کی بجائے پوری شریعت کے نفاذ کے لئے متحد ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ سیاسی مسائل سے قطع نظر کرتے ہوئے اس میں صرف وہی جماعتیں شامل ہیں جو واقعتہً دین کے نفاذ کی علمبردار ہیں اور تیسری اور اہم ترین بات یہ ہے کہ اس محاذ کی قیادت بھی کلیتہً علمارِ کرام کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ۱۹۲۰ء میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز کے مطابق علمار کرام قیادت کے مسئلے پر متفق ہو جاتے تو نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ بہت مختلف ہوتی بلکہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کا فیصلہ بھی بہت پہلے ہو جاتا۔ نفاذِ شریعت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ہماری جدّ وجہد کا مقصد صرف چند سزاؤں اور اسلامی حدود کا نفاذ نہیں بلکہ ہم اس پورے نظام کو اس کی جڑوں سمیت بدلنا چاہتے ہیں۔ پاکستان میں زرعی زمینوں کے معاملے اور ان کے بل پر جاگیرداروں کے ملک کی سیاست و حکومت پر قابض ہونے کے مسئلے کو مثال کے طور پر بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی رائے اور صاحبین یعنی امام ابویوسف اور امام محمد کی آرار پر مبنی فقہ حنفی کے مفتی بہ قول کی روشنی میں مزارعت کے حرام ہونے کی صورت میں یا یہاں کی زمینوں کو خراجی قرار دینے کی صورت میں اس بنیادی مسئلے کے حل کی دو ممکنہ صورتوں پر اجمالاً روشنی ڈالی۔ جلسے کے بعد اگرچہ مولانا فدار الرحمان درخواستی صاحب کا اصرار تھا کہ رات کا آخری حصہ میرپور خاص میں ہی بسر کیا جائے۔ لیکن مشورے کے بعد یہی صورت مناسب نظر آئی کہ فوراً حیدرآباد روانہ ہو جائیں تاکہ اگلے روز کے پروگرام متاثر نہ ہوں۔ رات تین بجے حیدرآباد پہنچے اور عبدالقادر صاحب کو زحمت دی ــــ انہوں نے اپنی روایتی مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں خوش آمدید کہا۔

حیدرآباد میں گیارہ فروری کو صبح دس بجے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب بھی تشریف لے آئے تھے۔ حافظ صاحب انتہائی سادہ مزاج اور درویش صفت آدمی ہیں۔ پہلے جماعت اسلامی کے رکن تھے۔ اب جماعت سے علیحدہ ہو کر سندھ میں علمی اور ادبی سطح پر دین کے لئے کام کر رہے ہیں۔ انقلابی جماعت کے ارکان کے لئے بنیادی دینی تربیت، تعلق مع اللہ اور عزیمت کردار کی اہمیت سے کماحقہٗ واقف ہیں۔ سردست سندھ کے مخصوص سیاسی حالات کے پیشِ نظر ہر نوع کی جماعتی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر دین کی خدمت میں ہمہ تن مشغول ہیں سندھ کے حالات پر ان کی کئی تصانیف اردو اور سندھی میں شائع ہو چکی ہیں۔ قیامِ حیدرآباد کے دوران ہمیں بیشتر وقت ان کی معیّت حاصل رہی۔ نماز مغرب کے بعد نوجوانوں اور طلبہ کے ایک گروپ سے ملاقات ہوئی جس میں اکثریت کا تعلق توجئے سندھ کی تنظیم سے تھا۔ ان میں تین نوجوانوں کا تعلق جو نئے سندھی یعنی مہاجر تھے اسلامی جمعیت طلبہ

سے تھا۔ کم وبیش ڈیڑھ گھنٹے کی نشست میں جئے سندھ کے نوجوانوں نے بڑے بھرپور اور جارحانہ انداز میں اپنا مؤقف پیش کیا۔ امیر تنظیم نے اس میں بہت کم مداخلت کی گفتگو کے اختتام پر اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک رفیق نے بھی چند منٹوں میں اپنا مؤقف بڑے مدلل اور دلنشین انداز میں پیش کیا۔ اس نشست کا ایک بنیادی فائدہ یہ ہوا کہ مختلف بلکہ متحارب نقطۂ ہائے نظر رکھنے والوں نے ایک چھت کے نیچے بیٹھ کر ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو خندہ پیشانی سے سنا۔ جو بلاشبہ ایک صحت مند علامت ہے۔ اور اگر اس قسم کی نشستوں اور ملاقاتوں کے اہتمام کا سلسلہ بڑے پیمانے پر جاری ہو سکے تو سندھ کے ماحول میں پائی جانے والی کشیدگی اور نفرت کو بڑی حد تک کم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے بہرحال کسی تیسرے فریق کی ضرورت ہے جو فی الحال وہاں موجود نہیں۔ گفتگو کے آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جئے سندھ کے نوجوانوں سے سوال کیا کہ جس طرح متحدہ ہندوستان میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے حقوق دینے سے انکار کیا تو پاکستان وجود میں آیا پھر مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کو مغربی پاکستان والوں سے شکایت پیدا ہوئی تو وہ پاکستان سے الگ ہو گئے۔ اب آپ لوگ ملک کے بڑے صوبے پنجاب کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں۔ اسی طرح اب سندھ میں بسنے والے مہاجروں کو آپ سے کچھ شکایات پیدا ہو رہی ہیں۔ اگر کل وہ بھی اپنی قومیت کی بنیاد پر سندھ میں اپنا الگ صوبہ بنانے کا مطالبہ کریں تو آپ کا ردِّعمل کیا ہو گا۔ قومیتوں کی بنیاد پر مطالبہ حقوق اور علیحدگی کے اس منطقی نتیجے پر ان کی اکثریت تو کچھ لاجواب سی ہو گئی لیکن ان کے قائدین نے سندھ کی تقسیم کے کسی بھی امکان کی سختی سے مخالفت کی۔ نوجوانوں کے گروپ کے رخصت ہونے کے بعد حیدرآباد کے رفقاء کے ساتھ گفتگو کا آغاز ہوا۔ امیر محترم نے تنظیم کو فعال بنانے اور سالانہ اجتماع میں شرکت کی تیاری کی طرف رفقاء کو متوجہ کیا۔ چونکہ کچھ رفقاء اطلاع نہ پہنچنے کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے۔ تھے اس لئے ڈاکٹر صاحب نے تمام رفقاء کو کل بعد نمازِ مغرب دوبارہ جمع ہونے کی دعوت دی اور کہا کہ جو حضرات آج نہیں آئے کل انہیں لے کر آئیں۔ اس اثناء میں آٹھ بج چکے تھے۔ نو بجے شریعت محاذ کے جلسے میں بھی شریک ہونا تھا۔ جماعت اسلامی سندھ کے امیر مولانا جان محمد عباسی کی رہائش گاہ پر شریعت محاذ کے قائدین کے اعزاز میں کھانے کی دعوت بھی ڈاکٹر صاحب قبول فرما چکے تھے۔ لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے عین وقت پر ان سے ٹیلیفون پر ہی معذرت کرنا پڑی۔ نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد جلسہ گاہ میں پہنچے۔ چونکہ ہمیں رات ہی واپس کراچی روانہ ہونا تھا اس لئے ڈاکٹر صاحب نے ابتدائی دو تین مقرر حضرات کے بعد نصف گھنٹہ تقریر کی جس میں شریعت کی بالادستی کے انقلابی

طریق کار پر روشنی ڈالی۔ جلسے سے فارغ ہوکر رات ساڑھے گیارہ بجے ہم عبدالقادر صاحب کے گھر واپس پہنچے اور کھانا کھاتے ہی کراچی کے لئے روانہ ہوگئے۔ صبح گیارہ بجے مولانا فداالرحمٰن درخواستی صاحب کے دارالعلوم میں شریعت محاذ کے صوبائی کنونشن میں شرکت کے لئے پہنچے۔ کراچی تنظیم کے نئے امیر ڈاکٹر تقی الدین صاحب نے بھی کنونشن سے خطاب کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کنونشن میں محاذ کے ڈھیلے ڈھالے تنظیمی ڈھانچے کو منظم اور فعّال بنانے کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اب ہم نے ۲۷ رمضان المبارک سے عملی اقدام کا جو الٹی میٹم دیا ہے ہمارا موجودہ ڈھانچہ اس قسم کی عملی جدّ وجہد کا متحمّل نہیں ہوسکتا۔ آنے والے وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے ہمیں کسی ایک دینی شخصیت کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کر کے اپنے آپ کو منظم اور متحد کرنا چاہئے۔ حدیثِ جبریل کی روشنی میں پانچ ارکانِ اسلام جو ہمارے دین کی بنیاد ہیں ان کے ساتھ ساتھ ہمیں ترمذی شریف کی اس حدیث کی طرف بھی متوجہ ہونا چاہئے جس میں امّت کی اجتماعیّت کو استوار کرنے کے لئے پانچ امور کا حکم دیا گیا ہے۔

اَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ۔

"(اے مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ جماعت سے وابستہ ہونے کا، سننے اور اطاعت کرنے کا اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا"

چونکہ ملوکیّت کی آمد کے بعد علمائے کرام نے عقائد کی حفاظت، علم دین کی ترویج و اشاعت اور انفرادی اعمال کی درستگی میں منہمک ہوکر سیاست و حکومت کے معاملات سے ایک طرح کی لاتعلقی کا رویّہ اختیار کر لیا تھا اس لئے اجتماعیت اور جماعت سازی کے بارے میں دینی ہدایات اور اصولوں پر بھی توجہ اس درجہ مرکوز نہیں رہی جتنی کہ عقائد و اعمال پر رہے۔ آج ہم دینی بنیادوں پر امّت کی اجتماعیت کی اصلاح و تعمیر کے لئے دوبارہ اکٹھے ہوئے ہیں تو ہمیں اپنی جماعت کی تنظیم کے لئے بھی سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی رجوع کرنا چاہیے۔ چالیس منٹ کے اس مدلّل اور جامع خطاب کے بعد واپس سراج الحق سیّد صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ کیوں کہ ہمیں مغرب سے پہلے پہلے حیدر آباد پہنچنا تھا۔ نمازِ ظہر کے بعد کھانا کھایا اور حیدر آباد کے لئے روانہ ہوگئے۔ نمازِ عصر راستے میں ادا کی۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے حیدر آباد پہنچ گئے۔ رفقائے تنظیم حسبِ پروگرام منتظر تھے۔ نمازِ مغرب کے بعد ان سے گفتگو رہی۔ امیرِ تنظیم نے رفقاء کے سوالات

اور الجھنوں کو حل کیا ۔ عشاء کے بعد فاران ہوٹل میں حیدر آباد کے صحافیوں اور دانشوروں کے اعزاز میں عشائیے کا اہتمام کیا گیا تھا ۔ اصل مقصد اُن کے خیالات سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنا تھا ۔ اس نشست کی سب سے اہم شخصیت سندھی بلوچ پٹھان فرنٹ کے قائد اور جی ایم سیّد کے دست راست حفیظ قریشی ایڈووکیٹ تھے ۔ جیئے سندھ کی تحریک میں ان کی فعّال اور سرگرم کارکردگی کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرف عام میں انہیں سندھ کا ابوالکلام اور شورش کہا جاتا ہے ۔ قریشی صاحب نے گفتگو کے دوران بھی اپنی خطابت کے جوہر خوب دکھائے ۔ اس نشست میں قریشی صاحب کا پلّہ ہی بھاری رہا ۔ ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں کے مصداق اُن کی گفتگو کے بعد تمام حضرات نے کہا کہ اُن کی گفتگو کے بعد ہم مزید کوئی اضافہ نہیں کر سکتے ۔ قریشی صاحب کا کہنا تھا کہ ہم تو صرف پنجاب سے اپنے حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ اور ہمیں یقین ہے کہ " پاکستان کے جرگے " میں رہ کر مملکت کے موجودہ ڈھانچے کے ساتھ ان کا حصول ناممکن ہے ۔ پنجاب اسلام کے نام پہ ہمارا استحصال کر رہا ہے ۔ حالانکہ ہم اس سے بڑھ کر اسلام کے ماننے والے ہیں ۔ میں نے اپنی زندگی کا بہترین حصّہ غلبۂ اسلام کی جدّوجہد میں خاکسار تحریک کی نذر کیا ہے اور اب بھی تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت کرتا ہوں ۔ اُن کا مطالبہ تھا کہ " اہلِ اسلام " کو ذرا کھل کر اور بلند آہنگ سے ہمارے حقوق کی بات کرنی چاہیے ۔

اس عشائیے میں اعتدال پسند اور انتہا پسند دونوں طبقات کی باتیں سُن کر حالات کی سنگینی اور مسائل کی پیچیدگی کا بھرپور احساس ہوا ۔ جس سے اہلِ پنجاب قطعاً ناآشنا ہیں ۔ اس گفتگو میں شامل تمام حضرات کا تعارف اور آراء پیش کرنا راقم کے پیشِ نظر تھا لیکن دورے کے آخری مرحلے میں شکارپور میں اس بریف کیس کی گمشدگی کی وجہ سے یہ خواہش پوری نہیں ہو رہی جس میں اس دورے کے اکثر و بیشتر نوٹس اور کئی اہم اشیاء بھی تھیں ۔

جمعہ تیرہ فروری کو خطابِ جمعہ کا پروگرام بدین میں تھا لیکن راستے میں ماتلی کے قصبے میں بھی ایک نشست کا بندوبست کیا گیا تھا ۔ اس اجتماع کا اہتمام جماعتِ اسلامی سے متعلق احباب نے ہی کیا تھا ۔ اسلامی جمعیتِ طلبہ کے چند ذمّہ دار نوجوانوں کے علاوہ متوسّط طبقے سے تعلق رکھنے والے عام شہری بھی شامل تھے ۔ البتّہ تقریباً پچیس افراد کے اس اجتماع میں قدیم سندھی صرف ایک ہی تھے ۔ شرکاء نے تعارف کے بعد انہی آراء کا اظہار کیا جو ہم پہلے سے سُنتے چلے آ رہے تھے ۔ البتّہ یہاں لہجے کی تلخی میں خاطر خواہ کمی اور اسلام اور پاکستان کے ساتھ وفاداری اور محبّت کا اظہار بھی موجود تھا ۔

وقت کی کمی کی وجہ سے یہ محفل بہت جلد برخاست کرنا پڑی ورنہ سننے سنانے کے لئے مہمانوں اور میزبانوں دونوں کے پاس بہت کچھ تھا۔ ایک گھنٹے کا سفر طے کرکے بدین پہنچے تو ایک بج رہا تھا۔ شہر سے باہر میں روڈ پر واقع شیخ سالمین مسجد کے امام وخطیب مولانا غلام علی گو پانگ نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ گو پانگ صاحب بالغ نظر اور نوجوان عالم دین ہیں۔ بدین کے نواح سے ہی اُن کا تعلق ہے۔ مولانا جان محمد بھٹو کی زندگی تک جماعت میں شامل رہے اور کچھ عرصہ ضلع بدین کے امیر بھی رہے۔ لیکن مولانا جان محمد بھٹو کی وفات کے بعد وہ جماعت کے ساتھ نہ چل سکے یا جماعت انہیں ساتھ لے کر نہ چل سکی۔ واللہ اعلم! نماز جمعہ میں دو سو کے لگ بھگ حاضری تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے انقلابی تبدیلی کا خاکہ بیان کرنے کے بعد اس کے لئے عملی تیاری کے طریق کار میں انفرادی توبہ یعنی ذاتی اصلاح کی ضرورت و اہمیت پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی اور رجوع الی القرآن کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ اپنا خطاب ختم کیا۔ نمازِ جمعہ کے بعد مولانا گو پانگ صاحب نے اعلان کیا کہ بقیہ نماز کے بعد پھر "کچہری" یعنی عام ملاقات ہو گی۔ کم و بیش ساٹھ ستر افراد رک گئے اور یوں تبادلہ خیال اور گفتگو کی ایک غیر رسمی نشست منعقد ہو گئی۔ اس میں سندھی حضرات بھی کافی تھے۔ اس مجمع میں اگرچہ کوئی سیاسی کارکن نہیں تھا۔ اکثر عام کاروباری اور سرکاری ملازم حضرات تھے۔ لیکن ان کی زبانوں پر بھی وہی شکایتیں تھیں۔ لوگ اپنے مسائل کا حل جاننا چاہتے تھے۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے انتہائی اختصار کے ساتھ اسلامی انقلاب کا تصور اور اس کے لئے تنظیم اسلامی کی سطح پر اپنی جدّوجہد کا تعارف پیش کیا جس سے لوگ کافی متاثر ہوئے اور دو حضرات نے اعانت کی صورت میں عملی تعاون بھی کیا۔ اگر ہمارے پاس وقت ہوتا تو دعوت کے اعتبار سے اس خطاب کے اثرات کو منظم کیا جا سکتا تھا۔ مسجد کے قریب ہی واپڈا کا گرڈ سٹیشن تھا۔ وہاں کے احباب نے چائے کے لئے شدید اصرار کیا۔ اگرچہ ہمیں عصر سے پہلے پہلے کھوسکی کے لئے روانہ ہونا تھا لیکن ان کے پُرخلوص اصرار کے پیشِ نظر اس دعوت کو قبول کرنا پڑا۔ مولانا غلام علی بھو پانگ کے ساتھ مسجد میں کھانا کھانے کے بعد مختصر سی گفتگو چل ہی رہی تھی کہ گھڑی کی سوئیاں چار بجنے کا اعلان کرنے لگیں۔ اس لئے با دلِ ناخواستہ رختِ سفر باندھنا پڑا۔ چائے کی پُرتکلف دعوت کے بعد بھی گفتگو کی بہت گنجائش تھی لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے فوراً ہی احباب سے رخصت لینا پڑی۔ تقریباً پون گھنٹے کے سفر کے بعد کھوسکی پہنچے۔ ہماری منزل کھوسکی سے باہر فوجی فاؤنڈیشن کی فوجی ویلفیئر شوگر مل تھی۔ نمازِ مغرب کے بعد آفیسرز ریسٹ ہاؤس میں مل کے افسران کے ساتھ غیر رسمی سی تعارفی نشست ہوئی۔

ملز کے اعلیٰ انتظامی عہدوں پر تو جہلم کیمبل پور اور راولپنڈی کے اضلاع سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ سابق فوجی افسران ہی فائز تھے۔ البتہ فنی شعبوں میں نوجوان سویلین انجنیروں کی کافی تعداد موجود تھی جو نسلی اعتبار سے تو بہرحال مہاجر تھے لیکن پیدائشی طور پر سندھی تھے کہ سرزمین سندھ میں پیدا ہوئے اور یہیں پروان چڑھے۔ ۲۵، ۳۰ افسروں کے اس اجتماع میں ایک یا دو قدیم سندھی حضرات بھی موجود تھے۔ ریسٹ ہاؤس میں کام کرنے والے خدمت گار ملازمین اور سیکیورٹی سے متعلق ڈیوٹی دینے والے بھی زیادہ تر ضلع جہلم اور ضلع کیمبل پور سے تعلق رکھنے والے سابق فوجی حضرات ہی نظر آئے۔ ایک استفسار پر معلوم ہوا کہ مل میں روزانہ اُجرت پر کام کرنے والے مزدوروں میں ساٹھ فیصد مقامی سندھی ہیں۔ عمومی تعارف کے بعد ڈاکٹر صاحب نے شرکائے مجلس کو دعوت گفتگو دیتے ہوئے کہا کہ میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ میں " استحکام پاکستان اور مسئلہ سندھ" کی صورت میں کہہ چکا ہوں۔ اس دورے کا مقصد تو بنیادی طور پر سندھ میں رہنے والوں کی باتیں سن کر براہِ راست معلومات حاصل کرنا ہے۔ اوّل اوّل تو ماحول پر کچھ اجنبیت اور تکلّف کی فضا طاری رہی لیکن جب بات چل نکلی تو دو حضرات نے حیرت انگیز طور پر بھرپور انداز میں ساری صورتحال کا تجزیہ کیا اور اس میں وڈیروں، فوج، مہاجرین، وفاقی حکومت کے کردار اور زمینوں کی تقسیم اور ملازمتوں میں روا رکھی جانے والی ناانصافیوں اور اُن میں بالخصوص پنجاب کی سول اور ملٹری بیوروکریسی کے کردار پر روشنی ڈالی جن میں کئی باتیں ہمارے لئے نئی اور مفید تھیں۔ ایک صاحب نے اس صورت حال کا حل تجویز کرتے ہوئے کہا کہ ہر تین سال بعد مرکزی الیکشن اور ہر سال بعد بلدیاتی الیکشن کرائے جائیں تاکہ حکمران طبقوں میں جواب دہی کا احساس پیدا ہو۔ اُن کا کہنا تھا کہ اگر بقول وزیرِ خزانہ ہر سال ۴۰ ارب روپیہ بیوروکریسی کی بدعنوانیوں کی نذر ہو جانے کے باوجود ملک چل رہا ہے تو ایک ارب روپیہ سالانہ الیکشن پر خرچ ہونے سے بھی قوم کو کوئی نقصان نہیں ہوگا بلکہ اس کے انتہائی مفید نتائج سامنے آئیں گے۔ نظریاتی پہلو سے ان تمام باتوں کے درست ہونے کے باوجود اصل مسئلہ تو وہیں رہا کہ بلّی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے۔ ابھی گفتگو جاری تھی کہ مؤذن نے عشاء کی نماز کے لئے مومنوں کو پکارا۔ نماز کے بعد عشائیہ تیار تھا۔ کھانے کے بعد دوبارہ نشست ہوئی تو مل کے سربراہ ریٹائرڈ بریگیڈیئر محمد خان صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ہمیں قرآن کے حوالے سے بھی کچھ نصیحت فرمایئے۔ پشاوری قہوے کے آتے آتے امیرِ محترم نے پندرہ منٹ میں سورہ والعصر کا مختصر درس دیا۔

اور انقلابی تبدیلی کے پہلے قدم کے طور پر ہر شخص کی انفرادی ذمہ داری یعنی اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی اصلاح اور خود اپنے دائرہ اختیار میں اسلام پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ یوں تذکیر بالقرآن کے ساتھ یہ محفل اپنے انجام کو پہنچی۔ رات آفیسرز میس کے مہمان خانے میں گزری۔ شوگر مل اور اس کے ساتھ مل افسران اور ملازمین کی رہائشی کالونی اپنے طرزِ تعمیر اپنے ماحول اپنی سہولتوں اور دیگر کئی اعتبارات سے علاقے کی عام آبادی سے بالکل الگ تھلگ ایک جزیرہ معلوم ہوتی ہے۔ صبح نماز فجر کے فوراً بعد ناشتہ تیار تھا۔ ناشتے سے فارغ ہوتے ہی ہم حیدر آباد کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ حیدر آباد میں عام ملاقاتوں کا پروگرام تھا۔ بہت سے دانشور صحافی اور دیگر ملاقاتی حضرات تشریف لائے۔ مشہور صحافی جناب مدد علی سندھی جن کے ہفت روزے نے ایک زمانے میں جئے سندھ اور جی ایم سید کی تحریک کیلئے بہت کام کیا تھا ملاقات کے لئے آئے۔ آج کل اُن کے نظریات میں خاصا اعتدال پایا جاتا ہے۔ تفصیلی گفتگو کے علاوہ انہوں نے سندھی اخبار "عبرت" کے لئے ایک مختصر انٹرویو بھی کیا۔ ان کے بعد روزنامہ "سٹار" کے جناب علی محمد اور اخبارِ جہاں کے مبین صاحب تشریف لائے۔ جناب علی محمد صاحب نے تفصیلی ملاقات اور انٹرویو کے لئے لاہور آنے کا وعدہ بھی کیا۔ مہاجر قومی موومنٹ کے مقامی لیڈروں سے بھی ملاقات متوقع تھی لیکن اُن حضرات کو اچانک کراچی جانا پڑ گیا۔ جس وجہ سے یہ ملاقات نہ ہو سکی۔ البتہ اُن کے حلقے کے کئی افراد نے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی۔

عصر کے بعد ٹنڈو الہ یار روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر یوسف صاحب کے مکان پر اجتماع تھا۔ ڈاکٹر یوسف صاحب جماعت اسلامی کے رُکن رہ چکے ہیں اور امارت کی ذمہ داریاں بھی نبھا چکے ہیں جماعت کے ٹکٹ پر انہوں نے الیکشن بھی لڑا تھا لیکن اب جماعت سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں اور اپنی انفرادی اصلاح اور تزکیۂ باطن پر تمام تر توجہات مرتکز کئے ہوئے ہیں۔ تقریباً پچاس افراد کے اجتماع میں نصف سے زائد نوجوانوں کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں اسلامی جمعیت طلبہ سے تھا۔ جمعیت کے مقامی ذمہ دار بھی شریک تھے۔ القبہ بہ سبھی سب نئے سندھیوں کی اولاد تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ذات تحریک انقلاب اور طریق کار کے حوالے سے نوجوانوں نے بڑے بھرپور انداز سے سوالات کئے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ واقعی کچھ سمجھنا چاہتے ہیں۔ نمازِ مغرب کے وقفے کے ساتھ یہ نشست عشاء تک جاری رہی گفتگو کا رُخ کبھی کبھی مسئلہ سندھ کی طرف بھی مڑ جاتا تھا لیکن بات چیت کا اصل محور اسلامی انقلاب اور اس کا طریق کار ہی رہا۔ آخر میں چار نوجوانوں نے خود کو بغیر کسی ترغیب یا دعوت کے بیعت کے لئے پیش کیا۔ اُن میں سے تین کا تعلق اسلامی جمعیت طلبہ سے رہ چکا تھا۔ ایک طالب علم

کے ذہن میں کچھ اشکالات تھے۔ وہ ہمارے ساتھ گاڑی میں حیدرآباد تک آئے اور راستے میں گفتگو جاری رہی۔ بقیہ تین حضرات بذریعہ بس حیدرآباد پہنچے۔ امیرِ محترم نے انہیں مزید غور کرنے کی دعوت دی۔ صبح نمازِ فجر کے بعد چاروں حضرات نے بیعت کی۔

اتوار ۱۵ فروری حیدرآباد میں ہمارے قیام کا آخری دن تھا۔ صبح ۹ بجے ناشتے اور کچھ ملاقاتوں سے فارغ ہو کر شہداد پور روانہ ہوئے۔ شہداد پور میں بعد نمازِ ظہر پاکستان یوتھ لیگ کے زیرِ اہتمام " نفاذِ شریعت اور استحکامِ پاکستان " کے موضوع پر جلسہ عام سے خطاب کا پروگرام تھا۔ جلسے سے پہلے مقامی صحافی حضرات تشریف لے آئے اور ایک غیر رسمی سی پریس کانفرنس منعقد ہو گئی۔ جلسہ عام میں حیدرآباد کی دو علمی شخصیتیں بھی مدعو تھیں۔ یوتھ لیگ کے سرپرست اور گورنمنٹ جامع سکول کے پرنسپل جناب صدیق احمد صدیقی کے خطاب کے بعد ڈاکٹر صاحب کو خطاب کی دعوت دی گئی۔ نمازِ ظہر تک پون گھنٹے کے خطاب میں امیرِ تنظیم نے موضوع کی مناسبت سے استحکامِ پاکستان کے لئے اسلامی انقلاب یعنی نفاذِ شریعت کی اہمیت کو واضح کیا اور اس مقصد کے لئے نئی نسل کی سرگرمیوں کو حوصلہ افزا علامت قرار دیتے ہوئے کہا کہ گزشتہ چالیس برس میں جو نئی نسل پروان چڑھی ہے۔ اگرچہ وہ ناز و نعم اور مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے بہت خرابیوں میں مبتلا ہے لیکن وہ ہماری پچھلی نسل پر اس اعتبار سے فوقیت رکھتی ہے کہ ان کے ضمیر غلامی کے بوجھ سے آزاد ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے بعد " استادِ شہر " جناب پروفیسر قوی احمد صاحب خطاب کے لئے تشریف لائے۔ آپ کامرس کالج کے پرنسپل ہیں۔ آپ کو دیکھ کر اس طرح کے اساتذہ کا جیتا جاگتا نمونہ نگاہوں کے سامنے آ گیا جن کی کہانیاں ہم بزرگوں سے سنا کرتے تھے۔ اگرچہ قوی صاحب کا تعلق حیدرآباد سے ہے لیکن اردگرد کے دیہاتوں اور شہروں میں بھی اپنے شاگردوں میں آپ اس طرح مقبول ہیں جیسے وہیں کے باشندے ہوں۔ پروفیسر صاحب نے مشفقانہ اور استادانہ انداز میں ایسی ہمہ پہلو گفتگو کی کہ اس میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد سے لے کر صوبائی منافرتوں اور محرومیوں تک بہت سے عنوانات کا احاطہ ہو گیا۔ قوی صاحب کہہ رہے تھے کہ انقلاب کی جدوجہد کے لئے تو ہزاروں ڈاکٹر اسرار احمد ہونے چاہئیں۔ اگر اس وقت ایک آواز دبا دی گئی تو پھر ایک طویل مدت تک دوسری آواز سنائی نہیں دے گی۔ اسلامی انقلاب کے لئے پہلے سائنس و ٹیکنالوجی کی سطح پر ہمیں ایک علمی انقلاب کے لئے ریاضت اور قربانی کی زندگی بسر کر کے بھرپور محنت کرنا ہو گی۔ قوی صاحب کے پُرمغز خطاب کے بعد ایک مقامی رہنما میجر حنیف راجپوت صاحب

کو اظہارِ خیال کے لئے دعوت دی گئی۔ میجر صاحب علاقے کی ایک سیاسی شخصیت ہیں۔ انہوں نے قاضی عابد صاحب کے مقابلے میں قومی اسمبلی کا الیکشن بھی لڑا تھا۔ انہوں نے بڑے پرجوش انداز میں خطاب کیا اور ایران کے انقلاب کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ہم پاکستان میں اس قسم کے انقلاب کا راستہ روکنے کی بھرپور جدوجہد کریں گے۔ لیکن خود وہ جس انداز سے مسائل و معاملات پر گفتگو کر رہے تھے اس سے محسوس ہوتا تھا کہ خود ان کے اندر انقلاب کیلئے بڑی تڑپ موجود ہے۔ اس اثناء میں سوالات کی بہت سی چٹیں بھی جمع ہو گئی تھیں اور تقاریر میں بھی بہت سے سوالات سامنے آ گئے تھے اس لئے آخر میں دوبارہ امیر محترم کو اختتامی خطاب کی دعوت دی گئی۔ میجر حنیف راجپوت صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں انشاء اللہ آئندہ کسی موقع پر اُن کا نقطۂ نظر سمجھنے کی کوشش کروں گا۔ پروفیسر قوی احمد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے امیر محترم نے کہا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ضرورت و اہمیت اور اس کے لئے محنت و کوشش اپنی جگہ بجا لیکن اس کو استعمال کرنے والوں کی سوچ اور فکر کو ایک صالح سمت عطا کرنا بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ باقی سوالات عموماً ایک ہی نوعیت کے تھے۔ لوگ سندھ میں اٹھنے والی نئی آوازوں کے حوالے سے پریشان تھے اور ان کا سبب جاننا چاہتے تھے۔ مختصر الفاظ میں حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مسلم لیگ نے ایک تحریک کے نتیجے میں پاکستان تو حاصل کر لیا تھا لیکن جماعت کے اعتبار سے اتنی منظم نہ تھی کہ اقتدار کی ذمہ داریاں سنبھال کر اختیارات کو عوام تک پہنچا سکتی۔ اس لئے جاگیرداروں بیوروکریسی اور فوج کو جو بہرحال منظم اور طاقتور گروہ تھے۔ اقتدار اور اس کے ثمرات پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا اور عوام کے حصے میں محرومیوں کے سوا کچھ نہ آیا۔

شہدادپور کے جلسے سے فارغ ہوتے ہی کھانا کھایا اور نوابشاہ روانہ ہو گئے۔ وہاں پروفیسر قوی احمد صاحب اور امیر محترم دونوں کو یوتھ لیگ کے زیر اہتمام الگ الگ جلسوں سے خطاب کرنا تھا۔ مغرب سے کچھ دیر پہلے ہم نواب شاہ پہنچے۔ شہر کی مشہور سڑک بیگم روڈ پر بیگم شریف منزل میں ہمارے قیام کا بندوبست تھا۔ یہ سادہ سا مشرقی طرز کا گھر نواب شاہ میں تقسیم ملک سے پہلے سے مسلم سیاست کا مرکز چلا آ رہا ہے۔ اس گھر میں تحریک پاکستان کے بڑے بڑے رہنما قیام کر چکے ہیں۔ جس کمرے میں ہمیں ٹھہرایا گیا تھا اس کے بارے میں بتایا گیا یہاں بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح بھی قیام کر چکے ہیں۔ مغرب کی نماز کے فوراً بعد صحافی حضرات تشریف لے آئے پریس کانفرنس پہلے سے طے تھی۔ چونکہ

گفتگو کا آغاز ہی شریعت بل سے ہوا تھا۔ اس لیئے زیادہ سوالات اسی موضوع پر ہوئے۔ نمازِ عشاء کے بعد ریلوے سٹیشن کے قریب جامع مسجد کبیر میں امیرِ محترم کا خطاب تھا۔ مسجد کے خطیب مولانا دوست محمد مدنی نے بڑے تپاک اور جوش سے ہمارا استقبال کیا اور انتہائی محبّت اور اپنائیت سے پیش آئے۔ امیرِ محترم کے خطاب سے پہلے رفیقِ محترم مختار حسین فاروقی صاحب نے سورہ والعصر کی روشنی میں پندرہ منٹ تک مختصر خطاب کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے سورہ بلد کی آخری آیات کی تلاوت سے تقریر کا آغاز کیا۔ پونے دو گھنٹے کے خطاب میں انفرادی توبہ یعنی اصلاحِ ذات سے لے کر نظامِ طاغوت سے مسلّح تصادم تک کے تمام مراحل پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر ہم پہلے خود اپنی ذات اپنے اہلِ خانہ اور اپنے ماحول پر اسلام نافذ کرنے اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانے پر تیار نہیں ہوتے تو شریعت بل کی منظوری سے بھی مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہو سکتے۔ نواب شاہ میں یہ ہمارا آخری پروگرام تھا۔

پاکستان یوتھ لیگ کے نوجوانوں نے جس خلوص، محبّت اور تڑپ سے ان پروگراموں کا بندوبست کیا اس کی یاد تادیر دلوں میں باقی رہے گی۔ شہداد پور اور نواب شاہ کے پروگراموں میں سب سے بڑی کمی یہی نظر آئی کہ ان میں قدیم سندھیوں کی شمولیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس سے یہ احساس مزید گہرا ہوا کہ سندھ کے چھوٹے شہروں میں بھی نئے اور پرانے سندھیوں کے درمیان ایک حجاب اور دوری بہرحال موجود ہے۔ البتہ کراچی اور حیدر آباد کے مقابلے میں یہاں رہنے والے نئے سندھیوں کی نئی نسل سندھی زبان بڑی روانی سے بولتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کاروبار اور روزمرہ زندگی میں سندھیوں سے واسطہ پڑتا ہے جبکہ کراچی اور حیدر آباد میں یہ صورت نہیں ہے۔

کراچی سے میرپور خاص تک کے پہلے سفر کو چھوڑ کر کراچی سے نواب شاہ تک کا سفر اس اعتبار سے انتہائی پُرسکون اور آرام دہ تھا کہ ہمیں سراج الحق سیّد صاحب جیسا پُرسکون اور مستقل مزاج ڈرائیور میسّر تھا۔ امیرِ محترم اور برادر مختار حسین فاروقی کی تمام تر اکساہٹ کے باوجود اُن کے پیر کا دباؤ ایکسیلیٹر پر حدِ اعتدال سے آگے نہ بڑھتا تھا۔ اپنی پیرانہ سالی اور دیگر کئی عوارضات کے باوجود انہوں نے جس استقلالِ مزاج سے اتنی لمبی مسافت میں ہماری قیادت کی وہ واقعتاً قابلِ رشک تھی۔ سید سراج صاحب ۱۶ر فروری کی صبح کو عازمِ کراچی ہوئے اور ہمارا قافلہ کرائے کی سوزوکی کار میں جو سامان اور افراد دونوں کے اعتبار سے ناکافی تھی سوار ہو کر سوئے سکھر روانہ ہوا۔ تین گھنٹے کی مسلسل

دورے کے بعد گیارہ بجے سکھر پہنچے۔ گلف ہوٹل میں قیام کا بندوبست تھا اور ہمارے پہنچتے ہی پریس کانفرنس بھی تیار تھی۔ اس اعتبار سے یہ بھرپور پریس کانفرنس تھی کہ اس میں مقامی اور قومی اخبارات اور ایجنسیوں کے تقریباً سبھی نمائندے موجود تھے۔ شریعت بل، تحریک بحالی جمہوریت انقلاب ایران اور دیگر کئی مسائل پر کھل کر باتیں ہوئیں۔ بیک وقت ایم آر ڈی کی بھرپور حمایت اور متحدہ شریعت محاذ میں عملی شرکت کی الجھن اور تضاد کو رفع کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں ایم آر ڈی کی طرح موجودہ سول و فوجی حکمرانوں، صدر ضیاء الحق کے ریفرنڈم، اُن کی اسلامائزیشن، دستوری ترامیم اور ۸۵ء کے انتخابات کو قانونی طور پر ناجائز سمجھتا ہوں لیکن جس طرح ایم آر ڈی ان کے فی الواقع تسلط کو تسلیم کرتے ہوئے ان سے مڈٹرم الیکشن اور حقیقی جمہوریت کا مطالبہ کرنا جائز سمجھتی ہے۔ اسی طرح میں ان سے نفاذِ شریعت کے مطالبے کو بھی جائز سمجھتا ہوں۔ البتہ جمہوریت کی بحالی اور انتخابات کا انعقاد ہماری قومی زندگی کے لئے پانی اور ہوا کی سی اہمیت رکھتا۔ اس لئے پنجاب کے عوام کو بھرپور انداز سے ایم آر ڈی کا ساتھ دینا چاہیئے تاکہ چھوٹے صوبوں کا احساسِ محرومی ختم ہو اور وہ صورت سامنے نہ آئے جو ۸۳ء کی تحریک کے نتیجے میں سامنے آ چکی ہے۔ پریس کانفرنس کے بعد کافی دیر تک غیر رسمی گفتگو یعنی آف دی ریکارڈ باتیں بھی ہوتی رہیں۔ جن کے لئے بڑے شہروں کے صحافیوں کے پاس جہاں سے اخبارات شائع ہوتے ہیں وقت نہیں ہوتا۔ عصر کے بعد ملاقاتی حضرات آنا شروع ہوئے۔ جن میں متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ ملازمین کی تعداد ہی زیادہ تھی۔ نمازِ مغرب کے وقفے کے ساتھ عشاء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ہر ایک کے پاس کہنے کے لئے بہت سی باتیں موجود تھیں۔ پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم لیاقت علی خان کی شکایتوں سے لے کر ون یونٹ کی زیادتیوں اور حالیہ مارشل لاء کے مظالم تک مسئلے کے بہت سے پہلو سامنے آئے۔ ایک صاحب نے جو خود بھی سندھی ہیں اپنا تجربہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے سندھیوں کو آنے جانے کا خرچ اور کراچی میں درجہ اوّل کے ہوٹل میں رہائش کے انتظام کے ساتھ "**تحریک تکمیل پاکستان**" کی کانفرنس میں شرکت کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے کیونکہ سندھ میں اب 'استحکام پاکستان اور اسلام' دونوں استحصالی طبقوں کے نعروں کی حیثیت سے ہی پہچانے جاتے ہیں۔

نمازِ مغرب کے بعد تشریف لانے والے حضرات میں وکلاء کے علاوہ مقامی کالجوں کے اساتذہ بھی شامل تھے۔ اس لئے بحث و گفتگو کا معیار بھی علمی تھا۔ محسوس ہو رہا تھا کہ لوگ کتاب کا مطالعہ کر کے تیاری کے ساتھ گفتگو کرنے آئے ہیں۔ کئی حضرات نے اہم نکات نوٹ کر رکھے تھے۔ گورنمنٹ

کالج آف ایجوکیشن کے پرنسپل پروفیسر حنیف صاحب نے اگلے روز اپنے کالج میں ڈاکٹر صاحب کو "سیرت کا انقلابی پہلو" کے عنوان سے اپنے کالج کے طلبہ کو جو درحقیقت زیرِ تربیت اساتذہ تھے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ نمازِ عشاء کے بعد اساتذہ اور دانشور حضرات کے ساتھ عشائیے کا اہتمام تھا۔ عشائیے کے بعد اسلامی جمعیت طلبہ کے سابق سندھی ارکان اور عہدیداران کے ایک گروپ سے گفتگو ہوئی جو فروری کے "میثاق" میں جمعیت کے ایک سابق لیڈر جناب عبدالغفار راٹھوڑ صاحب کا خط پڑھ کر ملاقات کے لئے آئے تھے۔ احیائے اسلام کی تڑپ جذبہ اور شعور رکھنے والے یہ نوجوان کرب کی ایک عجیب کیفیت سے دوچار تھے۔ حالات کی سنگینی کا احساس اور مقصد کی لگن رکھنے کے باوجود انہیں کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ ان کی کیفیات کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کیفیت کو وہی کچھ جان سکتا ہے جو خود اس عذاب سے گزرا ہو۔ ان نوجوانوں کی اضطراب آمیز شکایتیں اور حکایتیں سن کر نجیب صدیقی صاحب کے چہرے پر کھیلنے والی مسکراہٹیں پکار پکار کر یہ کہہ رہی تھیں کہ ؎

یہ تمہاری ان دنوں دوستاں مژہ جس کے غم میں ہیں خونچکاں
وہی آفت دلِ عاشقاں کسو وقت ہم سے بھی یار تھا

کیوں کہ ماچھی گوٹھ کے بعد وہ بھی ایک مدت تک کشمکش و اضطراب کی انہی لذتوں سے آشنا رہ چکے تھے۔ امیرِ محترم نے ان کی باتیں سننے کے بعد انہیں کچھ مطالعے کا مشورہ دیا اور شکارپور تک ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ انتخابی سیاست کے نتائج بچشم سر دیکھنے کے بعد لوگوں کے ذہن انقلابی جدّوجہد کی بات قبول کرنے کے لئے آمادہ تو ہیں لیکن مسئلہ سندھ کے خصوصی تناظر میں ان نوجوانوں اور ان جیسے بہت سے دوسرے حضرات کا معاملہ اتنا آسان اور سادہ نہیں۔ یہ بہت توجّہ، سوچ بچار، محنت اور منصوبہ بندی کا طالب ہے۔ بہرحال یہ قائدین اور ناقدین سب کے لئے اپنے اندر عبرت کے بہت سے پہلو رکھتا ہے۔

منگل سترہ فروری کو نمازِ فجر کے فوراً بعد سلوک و ارشاد کے دو مراکز ھالیجی شریف اور بانیجی شریف میں حاضری کے لئے روانہ ہوگئے۔ ھالیجی شریف کی خانقاہ اور مدرسے کی بنیاد حضرت مولانا حماد اللہ اندھسرِطے نے رکھی تھی وہ خود سندھ کے مشہور مرکزِ رشد و ہدایت امروٹ شریف سے بیعت تھے۔ اب ان کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمود اسعد صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ اگرچہ ان کا تعلق جمعیت علمائے اسلام سے ہے لیکن ان کی طبیعت دنیا کے معاملات کی طرف راغب نہیں۔

ہمہ وقت ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں۔ انہوں نے چائے سے ہماری تواضع کی۔ پندرہ بیس منٹ کی نشست کے بعد دعائے خیر کے بعد وہاں سے رخصت ہوئے۔ نصف گھنٹے کے مزید سفر کے بعد بائیجی شریف پہنچے۔ یہاں کے گدی نشین میاں عبدالستار سمیجو صاحب نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا اور ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔ چائے اور دیگر لوازمات کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ انہوں نے تحریک شہیدین کے قافلے کے قیام سندھ کے دوران کے کچھ واقعات سناتے ہوئے بتایا کہ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ رانی پور اور پیر جو گوٹھ کے علاوہ سوئی شریف تحصیل اباڑو ضلع سکھر میں حضرت بقاء اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت حسن شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی تین ماہ تک مقیم رہے۔ میاں عبدالستار سمیجو صاحب کی محفل سے اُٹھنے کو جی تو نہیں چاہتا تھا لیکن وقت کی قلت کی وجہ سے امیر محترم نے نصف گھنٹے کی گفتگو کے بعد آئندہ ملاقات کے وعدے کے ساتھ اجازت لی کیونکہ ہمیں نماز عصر شکارپور جا کر ادا کرنی تھی۔ اور اس سے پہلے پروگرام میں سکھر کالج میں امیر محترم کے خطاب کا اضافہ بھی ہو چکا تھا۔ سکھر کے گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن میں امیر محترم نے "سیرت کا انقلابی پہلو" کے عنوان سے اسلامی انقلاب کے مراحل بڑے اختصار اور بلاغت کے ساتھ ایک گھنٹے کے خطاب میں بیان کئے۔ جسے سامعین نے کامل سکون و اطمینان کے ساتھ سنا۔ کالج کا بڑا ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جس میں کم از کم ایک تہائی تعداد باپردہ طالبات کی تھی۔

بہت سے حضرات برآمدوں میں بھی کھڑے تھے۔ ڈیڑھ بجے خطاب ختم ہوا۔ ہماری اگلی منزل شکارپور تھی۔ عین نماز عصر کے وقت شکارپور پہنچے۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی پروفیسر اسرار احمد علوی صاحب جو رانی پور کالج میں استاد ہیں کی رہائش پر سوال و جواب کی نشست کا آغاز ہوا۔ یہاں شرکاء کی اکثر و بیشتر تعداد سندھی حضرات پر مشتمل تھی۔ اس لئے گفتگو کا رُخ مسئلہ سندھ کی طرف ہی رہا۔ نماز مغرب کے بعد جب مسئلے کے حل کی بات چلی تو پے بہ پے سوالات کا جواب دینے کے لئے امیر محترم نے آدھ گھنٹے کے مختصر خطاب میں انقلاب کی ضرورت اور طریق کار کی وضاحت کی۔ شکارپور سندھ کا قدیم ترین تعلیمی مرکز ہے۔ اسی اعتبار سے لوگ انتہائی مہذب تعلیم یافتہ اور باشعور ہیں۔ رات کھانے کے بعد بھی دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے سابق رکن نذیر احمد مہر صاحب سے تبادلہ خیال ہوا۔ امیر محترم نے انہیں لاہور آنے اور تنظیم کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی دعوت دی۔

اگلے روز یعنی بدھ ۱۸ فروری کو نماز فجر کے فوراً بعد لاڑکانہ روانہ ہوئے۔ ناشتہ کا پروگرام جامعہ اسلامیہ اشاعت القرآن والحدیث میں مولانا ڈاکٹر خالد محمود صاحب کے ساتھ تھا۔ ڈاکٹر

خالد محمود صاحب ۲۷ سال کی عمر میں ایم بی بی ایس ہونے کے ساتھ ساتھ درس نظامی کی تکمیل بھی کر چکے ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام مولانا فضل الرحمٰن گروپ کے روحِ رواں ہیں۔ صوبہ سندھ کے ڈپٹی سیکرٹری کی ذمہ داریاں بھی نبھا رہے ہیں۔ ۱۹۸۳ء میں بحالیٔ جمہوریت کی تحریک میں آپ کو ایم بی بی ایس کا امتحان دیتے ہوئے کمرۂ امتحان سے گرفتار کیا گیا اس لئے بقیہ امتحان جیل سے دینا پڑا۔ اور چار ماہ جیل میں گزارے۔ مولانا ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی رہنمائی میں بیر شریف روانہ ہوئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو مولانا عبدالکریم قریشی بیری کے درخت کے نیچے چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے اپنے شاگردوں کو صحیح مسلم کا درس دے رہے تھے۔ ہم بھی سلام کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا نے سندھ کے روایتی انداز میں استقبال کیا۔ فرداً فرداً سب کی خیریت دریافت کی۔ اگرچہ امیر محترم کو واپس لاڑکانہ پہنچ کر دو بجے پریس کانفرنس سے خطاب کرنا تھا لیکن مولانا عبدالکریم صاحب کی کھانے کی دعوت کو رد کرنا بھی ممکن نہ ہوا۔ تقریباً نصف گھنٹے بعد درس و تدریس سے فارغ ہو کر مولانا اندر تشریف لائے تو کھانے کی آمد تک امیر محترم اور مولانا عبدالکریم صاحب کے درمیان علمی گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ مولانا کے بارے میں جیسا سنتے تھے انہیں اس سے بہت مختلف پایا۔ انتہائی منطقی اور دھیمی طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کی صحبت سے بھی فیض پایا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر تقریباً ایک بجے بیر شریف سے روانہ ہوئے تو ایک گھنٹہ کا سفر طے کر کے لاڑکانہ پہنچے۔ بولان ہوٹل میں قیام کا بندوبست تھا اور صحافی حضرات بھی پہنچ چکے تھے۔ نمازِ ظہر سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب نے صحافیوں سے گفتگو کی۔ عصر کے بعد شہر کے اساتذہ وکلاء اور دانشوروں سے ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ لاڑکانہ کے شہریوں کی صورت و سیرت، آداب و اخلاق، بول چال، تہذیب اور وضع داری کو دیکھ کر علامہ اقبال کے وہ اشعار مجسم شکل میں نگاہوں کے سامنے آجاتے تھے جو انہوں نے اگرچہ اندلس اسپین اور ہسپانیہ و قرطبہ میں رہنے والوں کو دیکھ کر کہے تھے کہ ؎

جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں "اہلِ سندھ"
خوش دل و گرم اختلاط، سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بوئے یمن آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

اہلِ لاڑکانہ نے بھی اپنی گفتگوؤں میں سندھ کا مقدمہ بڑے مدلّل انداز میں پیش کیا۔ رات آٹھ بجے دو صحافی حضرات تشریف لے آئے جو دن کو شہر سے باہر ایک دوسری تقریب کی وجہ سے نہیں آسکے تھے۔ اس طرح سے ایک بار پھر پریس کانفرنس کی سی گفتگو دوبارہ شروع ہوگئی۔ لاڑکانہ کا یہ پروگرام اس دورے کا آخری اجتماعی پروگرام تھا۔ جمعرات انیس فروری کی صبح کو نمازِ فجر کے بعد سکھر روانہ ہوئے۔ سکھر میں تنظیم کے رفیق سومرو صاحب کی رہائش گاہ پر کچھ دیر آرام کے بعد ناشتہ کیا۔ جمعیت العلمائے اسلام کے نائب امیر اور سندھی ماہنامہ 'شریعت' کے مدیر مولانا عبدالوہاب چاچڑ کی آمد متوقع تھی۔ پروفیسر اسداللہ بھٹو مولانا چاچڑ کے ہمراہ بروقت پہنچ گئے۔ ایک بار پھر گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ شکارپور سے پروفیسر اسرار احمد علوی اور جناب تحمل حسین صاحب اور سکھر کے چند رفقا بھی امیرِ محترم سے الوداعی ملاقات کے لئے پہنچ گئے اور سہ پہر تین بجے تک محفل گرم رہی۔ یہ دورہ سندھ کی آخری غیر رسمی نشست تھی۔ چار بجے کی پرواز سے امیرِ محترم لاہور روانہ ہوگئے اور آٹھ فروری سے ۱۹ فروری تک کا یہ بھرپور پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

بقیہ 'مراحلِ انقلاب'

ع۔ زِ عشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است۔ راہِ حق میں تو بڑے بڑے فاصلے، بڑے بڑے موانع، بڑے بڑے امتحانات آتے ہیں۔ پس قیصر کی سلطنت و حکومت اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی، ایمان نہیں لایا اور محروم رہ گیا۔ بہرحال حضورؐ کے نامہائے مبارک کے جواب میں عیسائی بادشاہوں کی جانب سے یہ ایک نمائندہ طرزِ عمل تھا جس کا تفصیلی حال میں نے آپ کے گوش گزار کر دیا۔ اب آگے چلئے! (جاری ہے)

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے اشاعت کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مراسلہ نگار حضرات کی آراء سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

"سندھ کا مسئلہ" اور قارئین

مسئلہ سندھ کے حوالے سے دو اہم خطوط نذر قارئین ہیں۔ پہلا خط جمعیت علمائے اسلام کے رہنما اور سکھر میں تاریخی اہمیت کی حامل مسجد منزل گاہ کے دارالعلوم کے شیخ الحدیث مولانا محمد مراد صاحب کا ہے۔ مولانا محترم علمائے حق کی شاندار روایات کے وارث اور امین ہیں۔ شاید کم ہی لوگوں کو معلوم ہوگا مولانا نے قادیانیوں کے جس حملے کا ذکر اجمالاً اپنے خط میں کیا ہے اُس میں نہ صرف یہ کہ مولانا خود شدید زخمی ہوئے تھے بلکہ ان کے دو ساتھیوں نے جام شہادت بھی نوش کیا تھا۔ مولانا محمد مراد صاحب نے اپنے خط میں مسئلہ سندھ کے جن اہم پہلوؤں کی طرف اشارے کئے ہیں ارباب سیاست اور ارباب مذہب دونوں کو ان کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ دوسرا خط بھی سکھر ہی سے اسلامی جمعیتِ طلبہ سکھر کے ناظم ڈویژن جناب غازی شہاب الدین جوکھیو کا ہے۔ جوکھیو صاحب نے گزشتہ ماہ 'میثاق' میں شائع ہونے والے اسلامی جمعیتِ طلبہ کے سابق رکن جناب عبدالغفار ابڑو صاحب کے خط کے حوالے سے اظہار خیال کیا ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ اسلامی جمعیت طلبہ اور دین کے لئے کام کرنے والی تمام قوتیں مضبوط و مستحکم ہوں تاکہ وطن عزیز میں اللہ کا دین سر بلند ہو۔ ابڑو صاحب کے خط کی اشاعت کا مقصد خود احتسابی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

؎ صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم　　کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

اُمید ہے اسلامی جمعیت طلبہ اور دیگر اسلامی قوتیں ابڑو صاحب کے خط کی روشنی میں اپنی پالیسیوں کا جائزہ لیں گے۔ (ادارہ)

(۱)

مُکرمی ڈاکٹر اسرار احمد : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت اُمتِ مُسلمہ پُوری دُنیا عموماً پاکستان میں خصوصاً کئی خطرات سے دوچار ہے ہر ذی شعور آدمی اپنے جذبات واحساسات کے پیشِ نظر اظہار خیال کرتا رہتا ہے۔ جن خطرات کی آج کل زبان و قلم کے ذریعہ نشاندہی ہو رہی ہے ان میں اکثر و بیشتر خطرات موجود تو ضرور ہیں۔ لیکن اس میں ترتیب اور درجہ بندی ہر ایک اپنے انداز فکر کے مطابق بیان کرتا ہے۔

مَیں چونکہ دین کا اسلام کا ایک ادنیٰ خادم پیروکار علم دین کا طالب علم ہوں اس لئے مجھے

تو "خطرہ نمبر اوّل" صرف اور صرف کفر و الحاد میں نظر آ رہا ہے - اس کفر و الحاد کے محرکات ہر جگہ مختلف ہیں لیکن "سندھ میں خاص کر" سندھی نیشنلزم کے دینی تعلیم سے عاری نوجوانوں کو الحاد میں دھکیلنے کا سہرا کافی حد تک ہمارے اسلام کا منافقانہ نعرہ لگانے والوں اور سلام کی من مانی تشریحات سے اپنے مکروہ سیاسی عزائم کی ہٹی چمکانے والوں کے سر ہے "جو اپنے آقاؤں کے ہر مکروہ فعل کو اسلام کا لبادہ پہنانے کی کوشش کرتے ہیں - اس سے انکے گھناؤنے فعل کو قبول تو کوئی نہیں کرتا - الٹا لوگ اسلام سے" برگشتہ "ہو رہے ہیں کہ اگر اسلام یہی ہے تو ہماری توبہ" میں نے کچھ عرصہ پہلے - اپنے دینی رفیقوں سے اس "مسئلہ پر" اختلاف کیا تھا - جب میرے قابل قدر اور واجب الاحترام دوستوں اور بزرگوں نے جو کہ "پرانے سندھی" ہیں سندھی نیشلسٹوں کے خلاف شرعی فتویٰ مرتب کرنے کی فرمائش کی تھی" اس وقت میرا موقف یہی تھا کہ "کفر کے فتوے" اس مسئلہ کا حل نہیں ہے -

مجھے تو اندیشہ ہے یہ "مشتعل نوجوان" فتوے سن کر خدا سے ڈرنے کے بجائے علانیہ الحاد کا اظہار کریں گے - آج آپ کی کتاب "استحکام پاکستان" میں اپنے موقف کی تائید پاکر ذہن میں فوراً یہ شعر گردش کرنے لگتا ہے -

ع "نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم" جو حل آپ نے تجویز فرمایا ہے یعنی "اسلامی نظام عدل" کا عملی نفاذ یہ حل یقیناً اعلیٰ و ارفع ہے - اور اس عاجز کی زندگی کی ساری توانائیاں اسی میں صرف ہوئی ہیں - اور اب جب کہ قادیانیوں کے بموں سے حملہ کی وجہ سے قویٰ جسمانیہ جواب دے چکے ہیں تب بھی یہی آرزو دل میں لئے ہوئے ہوں - لیکن اسلامی نظام عدل کا نافذ ہونا آپ کے اور میرے ہاتھوں میں نہیں ہے - ہم اس سے اب تک عاجز ہیں دوسرا حل دستیاب ...... یہ کہ اسلام کی صحیح تعبیر - ان نوجوانوں کے سامنے پیش کریں - اور انکو بتائیں کہ صحیح اسلام وہ نہیں ہے جو "چند مفاد پرست کرائے کے کارکن" اپنے ان داتاؤں کو خوش کرنے اور رقم بٹورنے کے لئے یا اپنی کم علمی و کم فہمی کے باعث نادان دوست کا کردار ادا کرکے پیش کر رہے ہیں بلکہ صحیح اور حقیقی اسلام میں ہر فرد و ملت ہر طبقہ و کلاس کے حقوق و فرائض مفادات اور علائق کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے - اگر سیاسی چالبازیوں سے تنگ اور شہری کا آزادی کے خواہاں ہیں تو اسلام سے بڑھکر اس کا حامی و طرفدار کسی نظریہ کو نہ پائیں گے - اگر آپ معاشی ناہمواریوں اور اقتصادی استحصال کا خاتمہ چاہتے ہیں تو اسلام سے بڑھ کر دولت کی منصفانہ

تقسیم کا پروگرام کسی کے پاس نہیں ہے۔

"پنجاب سے نفرت" کے عنوان کے تحت سندھ کی زمینوں پر پنجابی آبادکاروں کے بسانے کے مسئلہ کو غالباً آپ نے طرفین سے معلومات حاصل کئے بغیر اپنے اندازے سے بیان کیا ہے۔ اس مسئلہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ سکھر بیراج کی منصوبہ بندی اور سنگ بنیاد کے وقت سندھ کی تحریک خلافت کے زیر قیادت انگریز سے ترک موالات کی مہم اپنے زوروں پر تھی۔ سندھ میں سید العارفین حضرت مولانا تاج محمود امروٹی (نور اللہ مرقدہ) رئیس المجاہدین حضرت مولانا محمد صادق صاحب رحمۃ اللہ فتح محمد سیوہانی۔ حضرت حماد اللہ ہالیجوی رحمۃ اللہ وجان محمد جونیجو اور دیگر قائدین کی بدولت اس تحریک کو جو عروج حاصل ہوا تھا۔ اسکی مثال پورے برصغیر میں نہیں مل سکتی۔ ہزاروں خاندان اپنا مال واسباب وطن و احباب چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر گئے تھے۔ جن کے کچھ پس ماندگان اب بھی افغانستان میں موجود ہیں۔ انگریزی فوج تو بڑی بات ہے سندھ کے ہزاروں مسلمان ترک موالات کے دور میں انگریز کی سول ملازمتوں سے مستعفی ہو گئے تھے۔ جن میں سے بہت اب بقید حیات ہیں۔ اور سلف کی جہاد کی یادیں تازہ کر رہے ہیں۔ فوج اور سول، ملازمتوں میں سندھیوں کی کمی کا آپ کے بیان کردہ اسباب کے ساتھ ساتھ ایک قوی سبب یہ بھی ہے۔ اس ترک موالات کا بھی ازالہ ٹھنڈا نہ پڑا تھا کہ اتنے میں دو تحریکیں عین اس وقت شروع ہو گئیں۔ جب سکھر بیراج بن کر تیار ہوا۔ انگریز نے زمینیں تقسیم کرنا شروع کر دیں۔ ایک تحریک نہروں کی کھدائی سے مساجد کے متاثر ہونے سے شروع ہوتی۔ جس کی قیادت سید العارفین حضرت مولانا تاج محمود امروٹی (نور اللہ مرقدہ) فرما رہے تھے اس کا اثر اگرچہ۔ پورے سندھ میں شدت سے ظاہر ہوا۔ لیکن خصوصی طور پر سکھر بیراج کے رائیٹ بنک والے علاقہ میں ایک بغاوت کی کیفیت پیدا ہو گئی اور دوسری تحریک حضرت سورہیہ سائیں پیر صبغت اللہ شاہ پاگارہ کی تحریک "حُر تحریک" تھی۔ جس نے خصوصیت سے لیفٹ بینک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سندھ کے مسلمانوں نے عموماً و حُر مجاہدین نے، خصوصاً انگریز کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ اس وقت سندھ کے غیور مسلمان آزادی اور اسلام کی جنگ لڑ رہے تھے۔ عین اس وقت انگریز اپنے اعتماد کے لوگ پنجاب سے درآمد کر کے سندھ کی زمینوں پر قابض کروا رہے تھے اور قادیانیوں کو عطیات میں سندھ کی زمینیں دے رہے تھے۔ یہ سب بالکل غلط ہے کہ "چونکہ پنجاب کے لوگ

زیادہ محنتی ہیں اس لیئے ان کو زمینیں دی گئیں"۔ کیونکہ جن سندھیوں نے تحریک خلافت سے غداری کرکے انگریز سے زمینیں حاصل کی تھیں ۔ جیسے نواب شاہ ضلع کے "ڈاھری قبیلہ کے سندھی قادیانی" یاد رہے سب انگریز کے پٹھو تھے ۔

ان کی زمینوں کا ریکارڈ جاکر معائنہ فرمائیں "ایک ایکڑ بھی غیر آباد نہیں رہا تھا" اور فی ایکڑ پیداوار میں سب سے آگے تھے ۔ ہر ذی شعور آدمی سمجھ سکتا ہے کہ "عدم تعاون کی تحریک میں اگر کوئی فرد فریق مخالف کا معاون بنے تو بھی رنجش پیدا ہونے لازمی امر ہے" چہ جائیکہ مجاہدین آزادی کے حقوق اور املاک پر قابض ہوجائے اس کے بعد جب گدو بیراج تیار ہوئی اور زمینیں تقسیم ہونا شروع ہوئیں تو سب سے بڑا حصہ علی الحساب "فوجی فارم" کے طور پر دیا گیا جو کہ ہزاروں ایکڑ زمین پر مشتمل ہے ۔ بقیہ حصہ میں سرکاری ملازمین اور فوجی جنرلوں، کرنلوں نوازا گیا ۔ اس کے بعد باقی زمین کو بڑے بڑے بلاکوں کی صورت میں عام نیلام کیا گیا ۔ جن میں چھوٹے سے چھوٹا بلاک ۳۲ ایکڑ کا تھا ۔ جبکہ اس سے بڑے بلاک ۶۴ ایکڑ ۱۲۸ ایکڑ اراضی کے تھے یہاں کے مقامی باشندے جو بارش "قدرتی سیلاب" اور عمیق ترین کنوؤں کے پراہٹ کے ذریعہ معمولی سے پیداوار حاصل کرتے تھے ۔ اس کا بڑا حصہ لیز منی کے طور پر گورنمنٹ کو ادا کرتے تھے اور چالیس چالیس پچاس پچاس سال سے غیر آباد بنجر زمینوں پر اس قحط سال کے دور میں ہزاروں روپیہ اس امید پر خرچ کرچکے تھے کہ نہری پانی میسر ہونے کے بعد ساری یہ زمینیں سرکاری نرخ پر ہمیں مالکانہ حقوق کے ساتھ ملینگی لیکن ۔ "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کے مصداق وہ ساری زمینیں مقامی ہاریوں کو سرکاری نرخ پر دینے کے بجائے بڑے بڑے بلاکوں کی صورت میں عام نیلامی کے لیئے پیش کی گئی جن پر مقامی لوگوں کے مکانات چھوٹے چھوٹے باغات اور کنوئیں بنے ہوئے تھے ۔ جو غریب دو وقت کی سوکھی روٹی سے اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی سکت بھی نہیں رکھتے تھے وہ پنجاب سے آئے ہوئے سرسبز اور شاداب علاقہ کے چودھریوں سے کھلے نیلام میں کہاں مقابلہ کرسکتے تھے ۔ نتیجتاً پنجاب سے لائے ہوئے چودھری صاحبان جو کہ "ون یونٹ کے عزائم کی تکمیل کے لیئے منصوبہ اور سازش کے تحت لائے گئے تھے" انہوں نے اپنی "تجوریاں" کھول لیں ۔ مقامی باشندے منہ تکتے رہ گئے اور کسی بھی مقامی باشندے کو نیلام سے ایک بلاک خریدنے کی طاقت بھی میسر نہ ہوسکی اور

ساری کی ساری زمین پنجاب سے آئے ہوئے آباد کار لے گئے - اس پر مستزاد یہ کہ جو زمین مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے قومی اور سول افسروں کو دی گئیں یعنی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی وجہ سے ان کی الاٹمنٹیں منسوخ کر کے وہ بھی ساری کی ساری پنجاب سے آئے لوگوں کو دی گئیں ایک بلاک بھی کسی مقامی سندھی کو نہیں دی گئیں، ان حالات میں آپ ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ فرمائیں کہ باہر سے آتے ہوئے ان لوگوں سے مقامی باشندے محبت کر سکتے ہیں یا نفرت ؟ جب تک " ان معاملات میں انقلابی تبدیلی رونما نہیں ہوتی زبانی کلامی درس اخوت چاہے کتنا ہی مؤثر پیرائے میں ہو ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں کرتا کم از کم میری ہمت تو ان حالات میں جواب دے چکی ہے اگر کوئی بلند حوصلے والے اولوالعزم بزرگ یہ کام سر انجام دے سکیں تو ع چشم ما روشن دل ماشاد

اُس وقت سوال زمینوں کی وصولی کا نہیں بلکہ "وطن کی آزادی" اور دین کی سربلندی" کا تھا - والسلام

(مولانا) محمد مُراد
شیخ الحدیث، مدرسہ منزل گاہ سکھر

(۲)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ پچھلے سال آپ نے سکھر ڈویژن کے تین چار مقامات کا دورہ اسد اللہ بھٹو صاحب کی معرفت کیا - اس دورے میں آپ کا جانا کندھ کوٹ، مبارکپور، سکھر اور گارھی موری ہوا - کندھ کوٹ میں آپ کے پروگرام کا سارا انتظام جماعت اسلامی کے لوگوں نے انجام دیا تھا حتیٰ کہ آپ کے پروگرام کی اناؤنسمنٹ کرنے والے بھی جماعت اسلامی کندھ کوٹ کے امیر مولانا واحد بخش غلجی تھے اور شہر میں پبلسٹی کے فرائض اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں نے ادا کئے تھے - مبارکپور میں آپ کے سامعین تمام کے تمام جماعت اسلامی سے متعلق افراد تھے - سکھر شہر کے غازی رشید پارک میں آپ کے خطاب سننے کا موقعہ مجھے بھی ملا تھا اس میں بھی سامعین کی تعداد نصف سے زائد جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں پر مشتمل تھی - اس دورے کے تاثرات جب آپ نے اخبار جنگ میں قلمبند فرمائے تو یہ انکشاف بھی فرمایا کہ سندھ سے اسلامی جمعیت

طلبہ کا وجود نیست و نابود ہو چکا ہے ۔ ہمارے لئے آپ کی یہ بات محض زورِ قلم کے سوائے کچھ نہ تھی ۔ سندھ میں ایم آر ڈی کی تحریک کے بعد ہمارا کام بلاشبہ متاثر ہوا تھا لیکن پچھلے دو سالوں میں جمعیت کی افرادی قوت میں کئی گنا اضافہ بھی ہوا ہے ۔

آپ کے رسالہ میں ایک سابق رکن جمعیت نے ماضی کے جن واقعات کی نشاندہی کی ہے، اس سے چونکہ میں براہ راست متعلق نہیں رہا ہوں، اس لئے اس پر کلام کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں ۔ پاکستان میں قومیتوں کی کشمکش نے جو شدت اختیار کی ہے، اس سے پاکستان لیول کی کوئی بھی پارٹی غیر متاثر نہیں رہی ہے ۔ اس کو حالات کی ستم ظریفی کہیئے یا اپنوں اور غیروں کی کارستانیاں، ایسا ہر پارٹی کے اندر ہو چکا ہے ۔ آپ کی تنظیم میں شاید اسی طرح کی صورت حال پیش نہ آئی ہو، کیونکہ آپ کو بھی غیر اردو دانوں میں اب تک اثر و نفوذ حاصل نہیں ہو سکا ہے ۔

برادر عبدالغفار کا یہ کہنا کہ جب تک پاکستان قائم ہے شاید صوبہ سندھ میں کسی بھی اسلامی تنظیم کا وجود میں آنا ایک معجزہ ہوگا"، محض حالات سے انتہا درجے کی مایوسی کے سوائے کچھ نہیں ۔ اس وقت بھی مذہبی جماعتیں لادینی عناصر کے خلاف سب سے بڑی رکاوٹ ہیں ۔ مذہب پر براہ راست حملے کی پالیسی کو کمیونسٹوں نے ترک کر کے مذہب کے متعلق بے تعلقی کی پالیسی کو اختیار کیا ہے ۔ صوبہ سندھ میں ہزاروں سندھی نوجوان اب بھی لادینیت سے سخت بیزار ہیں ۔ حالانکہ کمیونسٹوں نے اپنے کام کی رفتار پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھادی ہے ۔ برادر عبدالغفار ابڑو کا یہ کہنا کہ سندھ میں جمعیت کے پاس کچھ انگلیوں پر گنے جانے والے لڑکے ہیں وہ بھی صرف والدین کی وجہ سے سراسر مبالغہ آمیزی پر مشتمل ہے ۔ اس وقت صرف سکھر ڈویژن میں ۱۰۰ سے زائد سندھی رفقاء ہمارے سرگرم کار ہیں ان میں سے تین چار کے والدین کا تعلق جماعت سے ہے باقی تمام رفقاء و کارکنان غیر جماعتی گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اپنے گھروں میں شدید مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ آپ کی معلومات کے لئے عرض رکھتا ہوں کہ کشمور، کرم پور، کندھ کوٹ

سرزمینِ مصر کی عظیم دینی تحریک

الاخوان المسلمون

مصر کی عظیم دینی تحریک اخوانُ المسلمون کا یہ تعارف ـــ اخوان کے رہنما جناب عبدالبدیع صقر کے اُس عربی خط کا ترجمہ ہے جو انہوں نے ایک پاکستانی سائل کے اِن دو سوالات کے جواب میں تحریر کیا۔

۱۔ اخوان المسلمین کی دعوت کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں ؟

۲۔ آج تک یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار کیوں نہیں ہوئی ؟

قارئینِ "میثاق" کے لئے اسے اُردو کے قالب میں ڈھالنے کا فریضہ قرآن اکیڈمی کے مدرّس مولانا ابوعبدالرحمٰن شبیر احمد نورانی نے ادا کیا ہے۔

(ادارہ)

(۱)

کسی دعوت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اُس دعوت کے بانی کی شخصیت، دعوت کے ابتدائی حالات اُس کے پیروکاروں کے کردار اور ان کو میسّر وسائل سے واقفیّت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اخوان المسلمین کے بانی الاُستاذ حسن بن احمد بن عبدالرحمٰن البنا، سرزمین مصر کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپکے والد اپنے وقت کے حدیث کے بڑے عالم تھے۔ علم حدیث پر اُن کی پانچ تالیفات میں سے صرف ایک تالیف تئیس ۲۳ جلدوں پر مشتمل تھی۔ حسن البنا نے اپنی ابتدائی زندگی مصر کے ضلع بحیرہ میں بسر کی علومِ دینیہ کی تکمیل کے بعد جدید علوم کی تحصیل کے لئے دارالعلوم کالج میں داخلہ لیا۔ جہاں سے فراغت کے بعد حکومتِ مصر کے شعبۂ تعلیم سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن سرکاری ملازمت کی پابندیاں آپ کو راس نہ آئیں اور بالآخر ملازمت سے استعفےٰ دیکر اخوان المسلمین کی بنیاد رکھی۔ عمر بھر اپنی دعوت کی عملی تفسیر بنے رہے۔ فلسطین اور نہر سویز کی بازیابی کے لئے

آپ نے اپنی جماعت سمیت قتال فی سبیل اللہ میں عملاً شرکت کی - اپنی جماعت میں سب سے پہلے شہادت کا شرف حاصل کرنے کی سعادت بھی آپ کے حصے میں آئی -

مختصراً اخوان کا نصبُ العین درجِ ذیل الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے -

اَللّٰہُ غَایَتُنَا	اللہ ہمارا مقصود ہے -
اَلرَّسُول زَعِیمنا	رسُول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہمارے قائد ہیں
الجِہادُ سَبِیلنا	جہاد ہمارا راستہ ہے -
الموت فی سبیل اللہ اسمیٰ اَمَانِیتنَا	اللہ کی راہ میں موت ہماری سب سے آرزو ہے -

امام حسن البنا کی ساری زندگی غربت و فقر میں گزری - آپ کی سب سے بڑی میراث آپ کی دعوت ہے - آپ کی شخصیت اخوان کے دلوں کی دھڑکن تھی - آپ کے ذاتی حالات کی بجائے زیادہ مناسب یہ ہے ہم اُن کی جماعت اور اُس کی جدوجہد کا تعارف پیش کریں -

جہاں تک اخوان کی دعوت کا تعلق ہے تو وہ کسی نئی دعوت کے داعی نہیں تھے - ان کی جدوجہد کا مقصد بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کی زندگی انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے اللہ کی کتاب اور اُس کے رسُول کی سُنّت کے تابع ہو جائے - وہ اُسی ابدی پیغام کے علمبردار تھے جو حضرتِ آدم سے لے کر حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم تک سارے پیغامبر لاتے رہے -

کردار اور عمل کے میدان میں بھی اخوان المسلمین نے اس گئے گزرے زمانے میں وہ نمونے پیش کئے ہیں جن کی مثال ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے - اگرچہ ہم چند نمایاں افراد کے کردار اور قربانیوں سے آگاہ ہیں لیکن ایسے سینکڑوں اور ہزاروں افراد کا کردار اور عمل ہم سے پوشیدہ ہے، اللہ جل شانہ، کا یہ فرمان بالکل برحق ہے کہ

"وَمَا یَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا ھُوَ"	تیرے ربّ کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے -

مصری معاشرہ میں اخوان اپنے کردار کی وجہ سے سب سے الگ پہچانے جاتے ہیں ان کے کردار کی صفات کی وجہ سے ان کو ذاتی طور پر جانے بغیر بھی عام آدمی یہ بتا

دیتا ہے کہ یہ شخص اخوانی ہے - اخوان کی تنظیم میں ارکان کے دو درجے ہیں - پہلا درجہ کارکن کہلاتا ہے اور دوسرا معاون - کارکن کو کردار کے مخصوص معیار پر جانچا جاتا ہے اور وہ معیار ایسا ہے کہ آج تک پے بہ پے مصائب اور مشکلات کے باوجود کسی کارکن کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی - اخوان کی یہ ہمت اور استقامت دراصل مرشد حسن البناء کی تعلیمات اور تربیت کا نتیجہ ہے، مرشد نے اپنی اکثر و بیشتر تقاریر اور خطبات میں اس راہ کی مشکلات اور آزمائشوں کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں -

" اے میرے بھائیو تم کوئی رفاہی تنظیم نہیں ہو جس کے اغراض و مقاصد بہت محدود ہوتے ہیں - تم تو اُمّت مُسلمہ کی رُوح ہو - تمہیں اس اُمّت کو قرآن کے ذریعے زندہ کرنا ہے - اللہ کے راستے کی طرف رہنمائی تمہارا فریضہ ہے - تمہاری دعوت کوئی من گھڑت دعوت نہیں - یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُس نے انسان کو تخلیق کیا ہے - بس نئی بات صرف یہ ہے تمہیں اس فطرت کے حسین چہرے کو ہر نوع کے گرد و غبار اور آلودگی سے پاک کرنا چاہیئے - خواہ یہ آلودگی غلو کرنے والوں کے افکار و نظریات کے سبب سے ہو یا باطل پرستوں کی تاویل و تحریف کی وجہ سے تمہارا مقصد تو یہ ہے کہ یہ فطرتِ باطل اُسی طرح صاف و شفاف اور پاکیزہ ہو کر آشکارا ہو جائے جس طرح محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے ربّ کے پاس سے لے کر آئے تھے - اگر تمہاری کوشش یہ ہے کہ شریعتِ اسلامی نافذ ہو جائے تو سب سے پہلے اسے اپنے آپ پر نافذ کرو - تمام لوگوں کو اس نظام و شریعت کی دعوت دو خواہ وہ حاکم ہو یا رعایا - اس ساری جدوجہد اور کشمکش کا مقصد صرف ایک ہے کہ اطاعت اور بندگی صرف اللہ کے لئے خالص ہو جائے - زمین پر فتنہ و فساد باقی نہ رہے - ایک زمانے میں اسلام کا قانون سیاست، عدالت، حکومت غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کارفرما تھا لیکن آج کیفیت یہ ہے صرف شریعت کی پسندیدگی کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن عوام اور خواص دونوں کی اکثریت اسے ماننے کو تیار نہیں - یا کم از کم اُنہیں نفاذِ شریعت کی برکات اور اس کے فوائد کا شعور و ادراک نہیں۔ دوسری طرف بہت سے لوگ اس دعوت کی حقیقت و ماہیت سے ہی بے خبر ہیں - جس دن لوگ اس دعوت کے اغراض و مقاصد سے آشنا ہو جائیں گے اُس دن ان کی مخالفت اور شدت

میں بھی اضافہ ہوجائے گا۔ قوم کی دین سے ناواقفیت بھی آڑے آئی گی۔ کم علم مولوی بھی تمہارا راستہ روکیں گے۔ اللہ کی راہ میں تمہارا جہاد اُن کی سمجھ میں نہیں آئے گا مسلمانوں کی حکومتیں بھی تمہارے مقابل صف آرا ہوں گی۔

استعماری طاقتیں تمہاری جدوجہد کو ہر طرح سے غارت کرنے کی کوشش کریں گی۔ کٹھ پتلی حکومتیں پست اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان سے تعاون کریں گی، ہماری تعاون کے طلب گار بھی تمہارے درپے آزار ہوں گے، اور تمہارے بدخواہ اور دشمن اُن کے آلۂ کار بن کر سامنے آئیں گے۔ ابتلا و امتحان کے اس دور سے بہرحال تم گزروگے۔ تمہیں قیدی بنا کر جیل خانوں میں ڈالا جائے گا۔ یا ملک بدر کر دیئے جاؤ گے تمہارے ذرائع و وسائل پر بھی ہاتھ ڈالا جائے گا، تمہارے گھروں کی بھی تلاشی لی جا سکتی ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عرصہ امتحان لمبا ہو جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

الٓمّٓ أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْٓا أَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○	الٓمّٓ۔ کیا لوگوں کا خیال ہے وہ ایمان لانے کے بعد ایسے ہی چھوڑ دیئے جائیں گے؟ اور اُن کو آزمائش میں نہیں ڈالا جائے گا۔

البتہ ان ساری آزمائشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مجاہدین کی ضرور مدد کرے گا۔ اور مخلصین و صادقین کو ضرور اجر و ثواب سے نوازے گا۔ یہ تھی مرشد عام رحمۃ اللہ علیہ کی گفتگو۔

مرشد عام سے ارکان جماعت کا تعلق خالصتاً اللہ کے لئے تھا، اس میں نہ سلاسل صوفیاء کی طرح مبالغہ آمیز عقیدت تھی اور نہ ہی سیاسی جماعتوں کی طرح مفاد پرستی، بلکہ یہ ایک خوبصورت اور مثالی رشتہ تھا۔ ہم میں سے اکثر ارکان مرشد عام کی رائے سے اختلاف بھی کر لیتے تھے، اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دے لیتے تھے، آپ ہماری رائے قبول کرتے ہوئے حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے، اور ہمارے حق میں دعا بھی کرتے تھے۔ ہمارے گھروں میں تشریف لاتے بے پناہ تواضع اور خوش دلی سے ہماری انفرادی اور نجی مشکلات کا حل تلاش کرتے، ایک موقع پر ایک مخالف پرچے نے بھی اس مشفقانہ تعلق پر اس طرح تبصرہ کیا تھا: "مرشد عام حسن البناء ایسا

آدمی ہے کہ اگر وہ قاہرہ میں چھینک مارے تو اسوان جیسے بعید شہر میں بھی ہزاروں آدمی اس کی چھینک کا جواب یرحمک اللہ کہہ کر دیتے ہیں،، اس کے ساتھ ساتھ اس پرچے کا کردار یہ بھی ہے کہ "جب مرشد عام نے سردیوں میں مہاجرین فلسطین کے لئے تعاون کی اپیل کی اور کہا کہ کم از کم ایک ٹرک گرم کپڑوں کا بطور تعاون آنا چاہیئے تو اس پرچے نے آپ کو " مرشد عام" لکھنے کی بجائے " متسوّل عام" (بڑا دھوکے باز) لکھا تھا۔ یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے نمایاں ہے کہ اس طرح کے پرچے حکام کو ہمارے خلاف برانگیختہ کرتے رہتے ہیں اور ہماری تحریک کے 'خطرناک' ہونے کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔

امام حسن البناء کا انداز تربیت بہت خوب تھا، انہوں نے اخوان کے اندر باہم محبت پیدا کی۔ دعوت حق کی خاطر دلوں کو اس قدر جوڑ دیا جس کی فی زمانہ نظیر نہیں مل سکتی، اور یہ اوصاف ان تمام لوگوں میں محسوس کئے جا سکتے ہیں جو آپ کے ساتھی بن کر آپ کے ساتھ چلے، آپ کے ساتھیوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دل وجان سے پسند کیا، اور اسے معاشرے میں رواج بخشا۔ اخلاق قرآنی اور سیرت مصطفےٰ کو اپنے گھروں اور ذاتی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا، اُن کی زندگی کے انداز بدل گئے ذاتی کیفیات بدل گئیں، لیکن دین کے اصول بدل گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے اعتبار سے صحیح اور سچے مومن ہو گئے۔ خدا کی قسم، تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس وحی الٰہی کی تابع نہ ہو جائے"

تمام عرب ممالک اور اکثر اسلامی ملکوں کے لئے فکری رہنمائی کا مرکز مصر میں ہے اخوان المسلمین کی جدوجہد کے نتیجے میں اسلامی کردار کی لہر بھی اکثر ملکوں تک پہنچی، اور ان ملکوں میں بھی اخوان کی طرز پر مختلف جماعتیں پروان چڑھیں۔

اگرچہ تمام حکومتیں اخوان کی مخالف رہیں لیکن عوام قریب آتے گئے اور ایسا اس لئے ہوا کہ اخوان ساتھیوں نے ہر موقع پر بہادری وشجاعت کا مظاہرہ کیا، خواہ مقابلہ نہر سویز پر انگریز کے خلاف ہو یا فلسطین میں یہودیوں کے خلاف جہاد ہو۔ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے کہ زبردست مقابلے کے باوجود صرف نو افراد کی

ٹولی نے ۱۹۴۷ء میں یہودیوں سے دو مرتبہ مسجد اقصٰی واگذار کروائی تھی، جسے بیس سال بعد پوری فوجی طاقت کے باوجود یہودیوں نے انقلابیوں (جماعت عبدالناصر کا گروہ) کے ہاتھوں سے چھین لیا۔ جب عدالتوں میں اخوانیوں کے خلاف فیصلے ہو رہے تھے اس وقت بھی انہوں نے اپنی جرأت واستقلال کا لوہا منوایا، مختلف مواقع پر فوجی عدالتوں کے میجروں اور جرنیلوں کو بھی اپنی جرأت ایمان کے سبب ہراساں یا ششدر کر دیا۔ جیلوں میں ارکان جماعت کی ثابت قدمی ضرب المثل ہے "الطور" کے قید خانے میں انہوں نے مدارس الہجرۃ کے نام سے تعلیم وتربیت کے عقوبت خانے قائم کئے، مدت قید یہاں دو سال تک رہی جبکہ افراد کی تعداد چھ ہزار تھی۔ الواحات کے قید خانوں میں بھی ایسے ہی مراکز قائم تھے، یہاں کی مدت قید سترہ سال تھی، دیگر جیلوں میں بھی نظام تعلیم وتربیت قائم تھا جو تقریباً بیس سال چلتا رہا۔ بعض اخوانیوں نے زمانہ قید میں قرآن حکیم حفظ کیا، کئی ساتھیوں نے بی اے پاس کیا، اس طویل آزمائش کے باوجود کسی ایک ساتھی کو بھی اپنے نظریے میں شک نہیں گذرا اور نہ ہی اپنے قائد یا دیگر رہنماؤں کے بارے میں بدگمانی ہوئی، نہ کسی نے جذبات میں آکر راستہ تبدیل کرنے کا سوچا، حقیقت یہ ہے کہ اس ساری مشقت وآزمائش کے زمانے میں ایک الہامی قسم کی لذت محسوس کرتے رہے۔ اگرچہ اسی ابتلاء وتعذیب کے دوران کئی حضرات شہید بھی ہوئے، اس آخری وقت میں اُن کی زبان اللہ کے ذکر سے تر، اور دماغ دعوت وتحریک کے لئے فکرمند تھا،

مختلف اوقات میں سات مرتبہ جماعت کی تمام شاخوں پر پابندی عائد کرکے کالعدم قرار دیا گیا، ایسی کارروائیوں کا بھی ارکان جماعت پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور نہ ہی ان کا جذبۂ اسلام مدہم پڑا، بلکہ ان کی جدوجہد اور غیرتِ دینی اور تیز ہوگئی، اس لئے کہ اُن کو افسوس وحسرت ہوتی تھی۔ ان مفید اداروں کے بند ہونے پر، فنڈز کی ضبطی پر، اسلامی مراکز کے بند ہونے پر، اللہ تعالٰی کی مشیت کے سہارے وہ اپنا کام دوبارہ شروع کر دیتے ہیں حکومت بھی بذاتِ خود جیلوں اور قید خانوں میں وعظ ونصیحت کے نام سے درس و تقریر کا انتظام کرتی تھی، حالانکہ اس وعظ ونصیحت کا حقیقی مقصد ذہنوں کی صفائی (BRAIN WASHING) تھا، یا کم از کم دعوت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا ہوتا

تھا، بنیادی طور پر غلط فہمیاں پیدا کرنا، قائدین کے کردار کے بارے میں دھوکا دینا بھی اس میں شامل تھا، اکا دکا افراد جماعت کو حکومت اپنا آلہ کار بنانے میں بھی کامیاب ہو گئی تھی، انہیں دوسرے ساتھیوں کی توہین کرنے یا باہمی اخلاص و محبت کی فضا خراب کرنے کی خاطر وہاں جیلوں میں روکے رکھا تھا، اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے حکمران بہت محنت کرتے، اخراجات برداشت کرتے، اور ایسے کاموں میں مہارت رکھنے والے "فنکاروں" کو دور دور سے دعوت دے کر لاتے تھے۔ اس سب جدوجہد کے باوجود اخوانیوں پر اس کا ذرا برابر بھی اثر نہ ہوتا تھا وہ کامل یقین اور اخلاص کے مالک تھے اللہ پر ایمان اور اللہ سے مضبوط تعلق انکے شعور کی بنیاد تھا۔ لوگوں کو آج بھی اس بات پر تعجب ہے کہ اخوانیوں کا اللہ تعالےٰ سے کیا نرالا تعلق ہے۔ کہ آزمائش اور امتحان کی ہر تدبیر ناکام ہو جاتی ہے اور وہ کامیاب و کامران واپس آتے ہیں۔ حالانکہ اصل بات تو وہ ہے جو اللہ تعالےٰ کے اس فرمان میں بیان ہوئی ہے۔

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ القرآن	اللہ تعالےٰ نے ان کے دلوں کو جوڑ رکھا ہے اگر آپ ساری زمین پر موجود وسائل بھی خرچ کر دیں تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے

ان کے دلوں کو جوڑا ہوا ہے اس کی ذات عزیز و حکیم ہے۔

امام حسن البناء کوئی ایسے بڑے فصیح و بلیغ خطیب بھی نہ تھے جس کے بل بوتے پر اخوان المسلمین تشکیل پائی۔ مصر میں امام حسن البناءؒ سے کہیں بڑھ کر خطیب و بلیغ آدمی موجود تھے، اصل بات یہ ہے کہ اُن کی سچی نیت اور مخلصانہ ارادے کا یہ کارنامہ تھا۔ جس کی وجہ سے نہ تو وہ خواہشات نفس کے غلام بنے، نہ کسی لالچ کا شکار ہوتے، نہ تکبر اور بڑا بننے کی خواہش پروان چڑھ سکی، بلکہ ہر طرح کی خود پسندی سے بے نیاز رہے۔ اور اگر آدمی انہیں کمزوریوں کا غلام ہو جائے تو وہ اسے تباہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ امام حسن البناء تالیف و تصنیف کے بھی کوئی ماہر نہ تھے، اس انداز کی جماعت بنانے کی بنیاد فراہم کر سکتے، ان کی کتابیں چند ایک ہیں، البتہ بہت گہری اور پر تاثیر۔ ایک

موقع پر امام صاحب سے سوال ہوا آخر آپ بڑی بڑی کتابیں کیوں نہیں تالیف کرتے؟ آپ نے جواب میں فرمایا۔ میں افراد تیار کر رہا ہوں، وہ اگر چاہیں تو کتابیں تیار کر سکتے ہیں
اے میرے بھائی! جماعتوں کی کامیابی یا ناکامی سے متعلق گفتگو کے لئے باریک بینی اور گہری سوچ کی ضرورت ہے۔ بسا اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ دعوت اور تحریک لوگوں کی نگاہوں میں کامیاب ہوتی ہے۔ لیکن اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہی ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تحریک سخت آزمائش سے دوچار ہوتی ہے، لیکن اندر سے مضبوط اور پھلنے پھولنے کے قابل ہوتی ہے۔
اب ہم وسائل جماعت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔
جماعت اپنے اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے جن محدود وسائل کو بروئے کار لاتی ہے اس کی تفصیل یوں ہے۔

۱ - اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق ارکان جماعت کی تربیت کی، اور پورے معاشرے کو انہی عقائد و نظریات کی طرف دعوت دی، اور یہی بات دین حنیف کی اصل روح ہے۔
۲ - حکمرانوں کو پوری خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کی حسب ضرورت ان کے کردار پر تنقید بھی کی، تاکہ اسلام کی بنیادی تعلیمات کو ہی نہ بھول جائیں۔
۳ - قومی بہبود کے مختلف مراکز قائم کئے۔ رفاہی کاموں میں شمولیت کی، لوگوں کی مشکلات میں شریک ہو کر ان کی غمگساری کی، اور یہی اللہ کا حکم ہے:
وَافعلوا الخير لعلکم تفلحون" — نیک کام کرو شاید کہ تم فلاح پاسکو۔
۴ - دُنیا کے گوشے گوشے میں جماعتی فکر کو پھیلایا۔
۵ - جان و مال کے ذریعے اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے، ہر طرح کی فکری یلغار کو روکا۔ تاکہ دین کے نام سے کوئی غلط نظریہ اور فکر پروان نہ چڑھ سکے۔
اور نہ ہی کوئی رکاوٹ پیدا ہو جس سے دعوت و تبلیغ کا کام رک جائے۔
بلاشبہ جماعت کی دعوت مصر کے علاوہ بھی بہت سارے ملکوں میں پھیل چکی

ہے۔ جس تاسیس کمیٹی کا رکن ہونے کا شرف مجھے (الشیخ عبدالبدیع صقر حفظہ اللہ) حاصل ہے اس کمیٹی میں اردن، شام، عراق، اور سوڈان کے اخوانی بھی شامل ہیں اکثر ملکوں میں جماعت کو اپنی شاخیں قائم کرنے کی اجازت مل چکی ہے البتہ بعض ملکوں میں علی الاعلان کام کرنے کی فضا سازگار نہیں، چنانچہ وہاں خفیہ تنظیمیں قائم کی گئیں، جو عملاً ازہر والے مرکز سے ہی وابستہ ہیں، علاوہ ازیں مصر کے اندر بھی جماعت کی ہزاروں شاخیں ہیں۔ جو بہت فعال اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہیں لیکن خصوصی طور پر جس چیز نے مصر کے حکمرانوں، استعماری طاقتوں، اور بالخصوص یہودیوں کو پریشان کر رکھا ہے وہ جہاد فلسطین کی مہم ہے۔ صدیوں سے استعماری طاقتوں اور ان کی انگلی پر ناچنے والے حکمرانوں کی کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ ختم کر کے راگ ورنگ کا دیوانہ بنا دیا جائے۔ مسلمانوں کو مختلف قسم کے کھیلوں اور عالمی شہرت یافتہ ایوارڈز کے حصول کا خوگر بنایا جائے۔ جن کا جہاد کے مقابلے میں قطعاً کوئی فائدہ نہیں ہے۔

استعماری طاقتیں اپنے ہدف کو حاصل کرنے میں کافی حد تک کامیاب رہی ہیں، انہوں نے اُمّت مسلمہ کو حقیقت جہاد سے کافی حد تک غافل کر دیا ہے۔

آخر کار اخوان المسلمین کی تحریک اٹھی۔ جنہوں نے لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاء کلمۃ اللہ کی دعوت دی، نہر سویز کی بازیابی اور جہاد فلسطین کے موقع پر عملاً اس کا مظاہرہ بھی کر دکھایا، یہی بات استعماری طاقتوں کو سخت پریشان کئے ہوتے ہے۔ چنانچہ انہوں نے جھنجھلا کر ہمارے خلاف پورے منصوبے کے ساتھ سازشوں کا جال پھیلا دیا ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ "مسئلہ سندھ اور قارئین"

ٹھٹل، میرپور، مبارکپور، جیکب آباد، دھامراہ، سکھر، لاڑکانہ، شہزادکوٹ، چانڈکا میڈیکل کالج، شکارپور، باگڑجی۔ کندھرا، روہڑی، پنوعاقل، گھوٹکی، خیرپور، سیٹھار جائیں ہمارے کارکنان کی سرگرمیاں اس حد تک ظاہر ہیں کہ کٹر منافقین بھی ان کا انکار نہیں کر سکتے۔ والسلام

خاکسار: شہاب الدین جوکھیو۔ ناظم سکھر ڈویژن۔

اسلامی انقلاب: مراحل، مدارج اور لوازم

انقلابِ محمدی کا بین الاقوامی مرحلہ

(اس سلسلے کے آخری خطاب کی پہلی قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

(ترتیب و تسوید: شیخ جمیل الرحمٰن)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَکُمْ اِذَا قِیْلَ لَکُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَی الْاَرْضِ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَۃِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا ؕ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ؕ وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ؕ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورہ توبہ: آیات ۳۸ تا ۴۱)

وَقَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ سبا: آیت ۲۸)

آیات درج بالا کی تلاوت اور ادعیہ مسنونہ و ماثورہ کے بعد فرمایا :۔

حضرات! چند ہفتوں سے اجتماعاتِ جمعہ میں جس موضوع پر گفتگو کا سلسلہ چل رہا ہے یعنی :"اسلامی انقلاب : اس کے مراحل، مدارج اور لوازم" تو ان شاء اللہ آج اس کی آخری کڑی پر گفتگو ہوگی ۔اس طرح بفضلہ تعالےٰ آج کے اجتماع میں اس موضوع پر گفتگو کی تکمیل ہوجائے گی اور اس آخری کڑی کا عنوان ہے : انقلاب محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بین الاقوامی مرحلہ کا آغاز جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں شروع فرما دیا تھا ۔ان شاء اللہ العزیز قرآن کی روشنی اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ہم آج اُسے سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

انقلاب کی خصوصیت

اس ضمن میں پہلی بات تو یہ جان لیجئے جسے میں پہلے بھی تفصیل سے بیان کرتا رہا ہوں کہ ہر انقلاب کی فطری خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ جغرافیائی یا علاقائی یا ملکی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ پھیلتا ہے ۔کسی بھی انقلابی نظریہ کو نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے نہ ویزا کی بلکہ وہ ان قیود سے آزاد ہوتا ہے ۔اس کے لئے آج کل ایک اصطلاح استعمال ہورہی ہے ۔ "تصدیر الانقلاب"۔ یعنی : انقلاب ایکسپورٹ کرنا، اس کا دائرہ وسیع کرنا۔ جدید عربی میں "تصدیر" کا لفظ Export کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے ممالک میں بھی وہ انقلاب ظہور پذیر ہو۔ لہٰذا یہ بات جان لیجئے کہ یہ انقلاب کا خاصہ ہے اور اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ پھیلے اور وسعت پذیر ہو ۔ بلکہ میں تو یہاں تک عرض کروں گا کہ کسی انقلاب کے "حقیقتاً انقلاب" ہونے کا حتمی ثبوت یہی ہے کہ وہ کسی ایک جغرافیائی حد میں محدود ہوکر نہ رہ جائے بلکہ پھیلے اور وسعت پذیر ہو ۔اگر وہ کسی جغرافیائی حدود کے اندر محدود ہوکر رہ گیا تو اس کے معنی یہ ہیں ______ کہ اُس میں جان نہیں تھی ۔اس کے بنیادی فلسفہ میں قوتِ تسخیر نہیں تھی ۔اس میں آفاقیت اور عالمگیریت نہیں تھی ۔ بلکہ شاید اس کے اندر قومی و ملکی عوامل اصل میں فیصلہ کُن تھے۔ اس میں کوئی ایسا نظریہ، کوئی ایسا پیغام نہیں تھا جو بین الاقوامی اہمیت کا حامل ہو اور جو قومی اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہوکر نوعِ انسانی کے اذہان و قلوب میں اپنی جگہ بنا سکے، ان کو مسخر کرسکے۔

ـــــــــــــ میرے نزدیک یہ پیمانہ ہے اس بات کو جانچنے کا کہ کس تبدیلی کو انقلاب کا نام دیا جائے گا اور کس پر اس لفظ کا اطلاق کرنا غلط ہوگا۔ اگر اس تبدیلی میں وسعت پذیری کی صلاحیت و رجحان موجود ہے تو اسے ہم انقلاب کہیں گے اور اگر اس میں جغرافیائی حدود کو پھلانگنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے تو درحقیقت وہ انقلاب نہیں ہے بلکہ محض ایک تبدیلی ہے۔

چند مثالیں : میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اگرچہ کامل انقلاب کی مثال تو تاریخِ انسانی میں صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ـــ جس کے نتیجہ میں انسانی زندگی کا ہر گوشہ بدل گیا تھا۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں میں انقلاب آگیا یعنی معاشرتی، سماجی، سیاسی، معاشی، عدالتی، دستوری اور آئینی غرضیکہ تمام وہ شعبے یک سر بدل گئے جو اجتماعیاتِ انسانی سے متعلق ہیں، بلکہ انفرادی زندگی بھی پورے طور پر اسکی لپیٹ میں آگئی تھی، اخلاق بدل گئے، عقائد بدل گئے۔ صبح و شام کے معمولات اور رہن سہن کے طور طریقے سب بدل گئے۔ مختصراً یہ کہ ایسا انقلاب جو پوری انسانی زندگی کو اپنی گرفت اور اپنے احاطہ میں لے لے یعنی جسے ہم کامل انقلاب (Complete Revolution) کہہ سکیں وہ تو صرف ایک انقلاب ہے اور وہ ہے انقلابِ محمدیؐ جو آج سے چودہ سو سال قبل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرہ نمائے عرب میں برپا کیا تھا۔ لیکن اس سے نیچے اُتر کر وہ انقلابات جو کسی نہ کسی درجہ میں "انقلاب" کا عنوان پانے کے مستحق بن سکتے ہیں، ان میں دو انقلابات قابلِ ذکر ہیں۔ ایک ہے انقلابِ فرانس ـ جس کے نتیجہ میں سیاسی ڈھانچہ بدل گیا تھا۔ ملوکیت کا دور ختم ہوا اور جمہوریت کے دور کا آغاز ہوا ـ اسی طرح دوسرا انقلاب جس پر لفظ انقلاب کا کسی درجہ میں اطلاق ہوتا ہے ـ وہ ہے روس کا انقلاب یعنی بالشویک انقلاب (Balsh. Revolution) جس کے نتیجہ میں معیشت کا پورا ڈھانچہ بدل گیا۔ تمام ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت سے نکل کر اجتماعی ملکیت میں لے لیے گئے ـ آغاز میں تو وہاں بہت انتہا پسندی تھی کہ انفرادی ملکیت کی کامل نفی تھی لیکن ہوتے ہوتے اب وہ جہاں پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ ذاتی استعمال کی چیزیں انفرادی ملکیت ہو سکتی ہیں۔ جیسے ایک شخص کے پاس

سائیکل ہے جس پر وہ دفتر یا کارخانے جاتا آتا ہے تو یہ اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ کسی شخص کے پاس رہنے کے لئے مکان ہے تو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس کے پاس گھریلو استعمال کا جو سامان ہے، وہ بھی اس کی ذاتی ملکیت ہے۔ لیکن ذرائع پیداوار (Means of Production) جن سے انسان مزید پیدا کرتا ہے جسے وہ آمدنی کا ذریعہ بناتا ہے، کسی فرد کی ملکیت میں نہیں رہیں گے بلکہ وہ پوری قوم اور ریاست کی ملکیت قرار پائیں گے اور حکومت ان کا انتظام کرے گی اور ان ذرائع پیداوار سے جو یافت ہوگی تو حکومت کوشش کرے گی کہ اس کو پوری قوم میں ایک مقررہ معیار کے مطابق حصہ رسدی کے اصول پر تقسیم کر دیا جائے — بہرحال یہ ایک بہت بڑی تبدیلی ہے اور اس تبدیلی کے اعتبار سے بالشویک ریوولوشن بھی یقیناً ایک انقلاب تھا۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ سیاسی سطح پر انقلابِ فرانس اور معاشی سطح پر انقلابِ روس یقیناً "انقلابات" قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔ اور ان دونوں میں آپ کو یہ قدرِ مشترک نظر آئے گی کہ یہ انقلابات اپنے ملکوں تک محدود نہیں رہے بلکہ وسعت پذیر ہوئے۔ انقلابِ فرانس کے نتیجہ میں جمہوریت کا جو سیاسی نظام آیا وہ صرف فرانس تک محدود نہیں رہا بلکہ دنیا کے بہت سے ممالک میں جمہوریت کے قیام کے لئے تحریکیں چلیں اور کامیاب ہوئیں۔ اگرچہ آپ کو یہ عجیب بات نظر آئے گی کہ یورپ میں بعض ممالک نے بادشاہت کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے لیکن اسکی حیثیت محض آرائشی و زیبائشی نوعیت کی ہے۔ ورنہ درحقیقت ملوکیت کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب جمہوریت ہی کا دور ہے۔ اسی طریقہ سے روس کا جو انقلاب تھا اس کے بطن سے نہ معلوم کتنے انقلابات برآمد ہوئے۔ کرۂ ارضی پر جو ممالک موجود ہیں میرا گمان ہے کہ ان میں نصف کے لگ بھگ ممالک ایسے ہوں گے جن پر کسی نہ کسی شکل میں اس نظریہ کی حکمرانی ہو چکی ہے جس کے تحت ۱۹۱۷ء میں روس میں پہلا انقلاب آیا تھا۔

انقلابِ فرانس اور انقلابِ روس کے حوالے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ کسی بھی حقیقی و واقعی انقلاب میں بنیادی طور پر وسعت پذیری کی خصوصیت و صلاحیت موجود ہوتی ہے — ایک اور پہلو سے بھی اس بات کو سمجھ لیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں تو اس کی اہمیت و ضرورت کئی گنا بڑھ جاتی ہے کہ آپؐ

کالایا ہوا انقلاب محض جزیرہ نمائے عرب کی حد تک محدود نہ ہو جائے بلکہ آگے بڑھے اور پھیل جائے۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں اور آخر المرسلین بھی اور آپ کی دعوت محض اہل عرب کے لئے نہ تھی بلکہ پوری نوع انسانی کے لئے تھی لہٰذا آپؐ کے مقصدِ بعثت کا بھی یہ تقاضا تھا کہ آپ نہ صرف یہ کہ عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل بنفسِ نفیس فرمائیں بلکہ اپنی حیاۃ طیبہ ہی میں اس کے بین الاقوامی مرحلہ کا آغاز فرما کر مستقل طور پر اُمت کی رہنمائی فرما دیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین کر لیجئے کہ انقلابِ محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی تکمیل درحقیقت اس وقت ہو گی جب پورے کرّہ ارضی پر دینِ حق اُسی طرح غالب ہو جائے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل جزیرہ نما عرب پر غالب فرمایا تھا۔ یہ کہنا تو صحیح نہ ہو گا۔ کہ معاذ اللہ حضورؐ کا مقصدِ بعثت ناقص رہ گیا ہے یا پورا نہیں ہوا ہے الفاظ کے استعمال میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ البتہ یوں کہا جائے گا کہ آفاقی سطح پر انقلابِ محمدیؐ کی تکمیل کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ اس مفہوم کو علامہ اقبال مرحوم نے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے ظاہر کیا ہے کہ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں! کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

یعنی نورِ توحید سے پورا کرّہ ارضی جب تک جگمگا نہیں اٹھتا اس وقت تک امتِ مرحومہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی۔ اس پر تو لازم ہے، واجب ہے، فرض ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامتِ دین کی جدوجہد مسلسل جاری رکھے:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ ۔ "اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ اُس کے لئے جہاد کا حق ہے (اے امت مسلمہ) اُس (اللہ) نے تمہیں چُن لیا ہے۔

اقسام توحید

میں اپنی بعض تقاریر میں یہ بات بیان کر چکا ہوں کہ توحید کی دو بڑی اقسام ہیں۔ ایک ہے توحیدِ علمی، نظری، فکری یعنی عقیدہ کی توحید۔ اللہ کو ذات و صفات کے اعتبارات سے ایک ماننا اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرانا:

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ	اور کہہ دو سب تعریفیں اللہ کے لئے
یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ	ہیں جس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ
لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ	کوئی اس کا سلطنت میں شریک ہے،
یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ	اور نہ کوئی کمزوری کی وجہ سے اس
وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا	کا مددگار ہے۔ اور اس کی بڑائی
	بیان کرتے رہو۔

اور ایک ہے عملی توحید۔ صرف اللہ کے ہی بندے بن جانا :

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا	"اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے
رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ	(اُس) ربّ کی جس نے تمہیں پیدا کیا"

اللہ کی اطاعت کو اپنے آپ پر اس طرح لازم و فرض کر لینا کہ اُس کی اطاعت سے آزاد کسی اور کی اطاعت اس میں شامل نہ ہو — اس عملی توحید کا اجتماعی سطح پر تقاضا اس وقت پورا ہوگا۔ جب وہ نظام قائم ہو جائے گا جس میں حاکمِ مطلق (Supreme Authortiy) صرف اللہ کو مانا جائے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ یعنی نہ صرف یہ کہ تسلیم کیا جائے کہ قانون و شریعت دینے کا اختیار صرف اُسی کے پاس ہے۔ بلکہ بالفعل اللہ کے دین اور اُسکی شریعت کو پورے اجتماعی نظام پر غالب و نافذ کر دیا ہے۔ لِتَکُوْنَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا۔ یہی عملی توحید ہے۔ تو توحید کی یہ شکل جب تک عالمی سطح پر عملی اعتبار سے مکمل طور پر قائم و نافذ نہیں ہوتی، اس وقت تک یوں سمجھئے کہ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

آفاقیِ رسالتؐ

اس موقع پر میں چاہوں گا کہ قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے اس بات کو اچھی طرح جان اور پہچان لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے رسول آئے، بلا استثناء اُن سب میں یہ بات آپ کو مشترک نظر آئے گی کہ ان کی رسالت دو اعتبارات سے محدود تھی۔ ایک مکانی لحاظ سے محدود کہ وہ اپنی اپنی قوموں کی طرف یا کسی مخصوص علاقہ کی طرف مبعوث ہوئے۔ آپ خاص طور سورہ اعراف، سورہ ہود اور سورہ قصص کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو مختلف اسالیب سے یہ بات مل جائیگی چنانچہ وہاں رسولوں کا ذکر اسی انداز میں ملتا

ہے : لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ "تحقیق ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف" وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۔ "اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے بھیجا) اُن کے بھائی صالح کو"۔ اور ۔ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۔ و قس علیٰ هٰذا ۔ دوسرے یہ کہ ان کی رسالت زمانی اعتبار سے بھی محدود تھی کہ ہر رسول کی رسالت اس وقت تک کے لئے تھی جب تک اگلا رسول نہیں آجاتا چنانچہ جیسے ہی اگلا رسول آتا تھا پہلے کا دور رسالت ختم ہوجاتا تھا یعنی : اب آنے والے رسول کو جو ہدایت اور شریعت ملے گی اس میں جتنی سابقہ چیزیں برقرار رکھی جائیں وہ آنے والی ہدایت اور شریعت کا جزو بن جائیں گی ، باقی منسوخ ہوجائیں گی ۔ گویا مکانی اور زمانی دونوں اعتبارات سے رسالت کا معاملہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل محدود رہا ہے ۔

تکمیل نبوّت و رسالتؐ

نبوّت کی تکمیل کا مظہر یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کامل کردی گئی ۔ جو کچھ انبیاء علیہم السّلام کو بذریعہ وحی ملتا رہا ہے اس کا کامل، مکمل اور محفوظ ایڈیشن ہے قرآن مجید ۔

نوعِ انسان را پیامِ آخریں
حاملِ اُو رحمۃً للعالمین

تو ہدایت الٰہی کا یہ آخری اور کامل ایڈیشن آگیا تو گویا کہ نبوّت کامل ہوگئی ۔

اب آیئے تکمیل رسالتؐ کی جانب ! رسالت کی تکمیل کے دو مظہر ہیں ۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مکانی اور زمانی دونوں اعتبارات سے غیر محدود ہے اس لئے کہ ایک جانب آپ کی رسالت کرۂ ارضی پر بسنے والی تمام نوعِ انسانی کیلئے ہے اور دوسری جانب آپ کی رسالت کا دور دائمی ہے ۔ یعنی تا قیام قیامت آپؐ ہی کی رسالتؐ کا دور ہے ۔ اس ضمن میں قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارات موجود ہیں لیکن وقت کی کمی کے باعث میں فی الوقت ان پر گفتگو میرے لئے ممکن نہیں ہوگی ۔

ویسے اس خاص موضوع پر میری تقاریر کے کیسٹ موجود ہیں ۔ البتہ میں چاہونگا کہ اس مضمون سے متعلق قرآن مجید کی اس آیت کا حوالہ ضرور دے دوں :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً — اور (اے نبی) ہم نے نہیں بھیجا ہے آپ کو
لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ — مگر تمام نوعِ انسانی کے لئے بشیر

مبشرًا ونذيرًا ہ ونذیر بنا کر۔"

گو یا کہ مکانی حدود ختم ہوئیں ۔ پورے کرۂ ارضی کے لئے رسالت ہے جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کی بعثت پوری نوعِ انسانی کی طرف ہوئی ہے ۔ آپؐ کی مخاطب کوئی ایک قوم نہیں ، کوئی ایک قبیلہ نہیں ، کوئی ایک علاقہ نہیں ، کوئی ایک ملک نہیں ، کوئی ایک نسل نہیں اور کسی ایک دور کے انسان نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت کی شان یہ ہے کہ : وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ہ

یہ چیز جہاں مکانی اعتبار سے غیر محدود ہے وہاں زمانی اعتبار سے بھی غیر محدود ہے کہ اب تا قیامِ قیامت کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں ۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دورِ رسالت ہے جو قیامت تک دائم و قائم رہے گا ۔

تکمیل و ختمِ نبوّت کا منطقی تقاضا

قرآن حکیم سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نوعِ انسانی کے لئے رسول بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں اور آپؐ کی رسالت تا قیامِ قیامت دائم اور جاری و ساری ہے ۔ تو اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خاتم الانبیاء و آخر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جو دین الحق دے کر مبعوث فرمائے گئے تھے اور جس دین کو تمام نظامہائے حیات پر غالب کرنا آپؐ کا فرضِ منصبی قرار دیا گیا تھا کہ دعوت و تبلیغ دین اور اقامتِ دین کا کام حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہنا لازم ہے ۔ یعنی ایک طرف اللہ کا پیغام تمام بنی نوعِ انسان تک اس درجہ میں پہنچا دینا ہے کہ کہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے کہ وہ اللہ کے یہاں یہ عذر پیش نہ کر سکیں کہ ہم تک تیرا پیغام نہیں پہنچا اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ پورے کرۂ ارضی پر دینِ حق کو بالفعل غالب و قائم کرنا بھی اس اُمّت کی ذمّہ داری ہے ۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس اپنے مشن کی ایک حد تک تکمیل فرما کر اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ۔ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل ہو گئی لیکن آپ کا مشن تو در حقیقت اُس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچے گا جب پورے کرۂ ارضی پر اللہ ہی کا پرچم سب سے بلند ہو گا لہٰذا اسی شعر کا پھر سہارا لے رہا ہوں کہ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اس پہلو سے جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے تو حضورؐ گویا اپنے فرضِ منصبی کے اعتبار سے اس پر مامور تھے کہ آپؐ جزیرہ نمائے عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل بنفسِ نفیس فرما دیں۔ یہ تو گویا آپ کی آفاقی، عالمی و دائمی بعثت و رسالت کا اوّلین مرحلہ تھا جو پورا ہوا۔ ابھی بین الاقوامی اور عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کا کام باقی تھا جس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دنیوی حیاتِ طیبہؐ کے دوران بنفسِ نفیس آغاز فرما کر پھر اس مشن کو امت کے حوالے فرما دیا کہ اب اس فریضہ کی عالمی سطح پر تکمیل تمہارے ذمّہ ہے۔ اب ایک ایک فردِ نوعِ بشر تک دعوت، تبلیغ، شہادت علی الناس کا فرض تمہیں انجام دینا ہے اور پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا بول بالا کرنا، یا بالفاظِ دیگر "اسلامی انقلاب" برپا کرنا اب تمہاری ذمّہ داری ہے۔

دعوت و تبلیغ کے ضمن میں ایک اہم اُصول

اب جبکہ اصولی طور پر یہ بات واضح ہو گئی کہ جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رسالت آفاقی و عالمی ہے اور تا قیامِ قیامت حضورؐ ہی کا دورِ رسالت جاری ہے تو اب میں چاہتا ہوں کہ سیرتِ مطہرہ کے حوالے اور تاریخی اعتبار سے ایک اصولی بات بھی بیان کر دوں۔ دیکھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ۶۱۰ء عیسوی میں ہوا ہے۔ اس کے بعد سے لے کر مسلسل اٹھارہ اُنیس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کا دائرہ صرف عرب تک محدود رہا۔ بلکہ اس مدّت کے اندر بھی ایک درجہ بندی نظر آتی ہے۔ وہ یہ کہ ابتدائی دس برس تو وہ ہیں کہ آپؐ نے مکّہ سے باہر قدم نہیں رکھا۔ حضورؐ پورے دس برس تک دعوت و تبلیغ کا کام مسلسل مکّہ میں انجام دیتے رہے۔ اس میں اگر کوئی استثنیٰ ہے تو صرف یہ ہے کہ مکّہ کے آس پاس جو میلے لگتے تھے تو ان میں دعوت و تبلیغ کے لئے آپؐ تشریف لے جایا کرتے تھے ان میں عکاظ کا میلہ یا بازار بہت مشہور ہے۔ یہ ان میلوں میں سب سے بڑا ہوتا تھا۔ اس میں یہ بھی ہوتا تھا کہ عرب کے کونے کونے سے شعراء اور خطباء آکر جمع ہوتے تھے۔ وہاں مجلسیں اور محفلیں جمتی تھیں۔ وہاں شعراء کے مابین مقابلے

ہوا کرتے تھے ۔ حضورؐ کا دعوت و تبلیغ کے لئے ان میلوں میں تشریف لے جانا تاریخی طور پر ثابت ہے ۔ یا پھر آپؐ اسی مقصد کے لئے ان قافلوں کی طرف تشریف لے جاتے تھے جو وقتاً فوقتاً مختلف ضروریات کے لئے مکہ آتے تھے اور مکہ سے باہر پڑاؤ ڈالتے تھے ۔ مکہ سے ضروریاتِ زندگی کی چیزیں لیتے اور پھر اپنے اپنے مستقر کی طرف لوٹ جاتے تھے ۔ میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان مستثنیات کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے لئے کامل دس برس تک مکہ سے باہر قدم نہیں نکالا ۔ اور حضورؐ کی ساری دعوت و تبلیغ مکہ تک محدود رہی ۔

سفرِ طائف : ۱۰ نبوی میں آپؐ کے چچا اور بنو ہاشم کے سردار ابوطالب کا انتقال ہو گیا ۔ ابوطالب گو خود دولتِ ایمان سے محروم رہے لیکن انکو حضورؐ سے بے پناہ محبت تھی لہٰذا اس محبت کے باعث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی حمایت حاصل تھی ۔ اس قبائلی نظام میں سردار کی حمایت کے معنی یہ تھے کہ بنو ہاشم کے پورے قبیلے کی پشت پناہی آپؐ کو حاصل تھی ۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ابولہب کے سوا جو حضورؐ کا کھلم کھلا دشمن اور مخالف تھا ۷ نبوی سے لے کر ۹ نبوی تک تقریباً تین سال تک قریش کے ایک معاہدے کی رُو سے بنو ہاشم کے پورے قبیلہ کو ایک گھاٹی میں محصور کر دیا گیا خواہ ان میں سے کوئی ایمان لایا ہو خواہ نہ لایا ہو ۔ شعب بنی ہاشم کی اس محصوری کے دوران پورے قبیلہ کو جن جان گسل مصائب سے سابقہ پیش آیا ہے وہ اپنی جگہ نہایت دردناک باب ہے ۔ لیکن چونکہ موجودہ گفتگو سے اس کا براہِ راست کوئی تعلق نہیں لہٰذا میں اس کا ذکر چھوڑتا ہوں ۔ ابوطالب کی وفات کے چند ہی دن بعد آپؐ کی زوجہ محترمہ صدیقۃ الکبریٰ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں ۔ جو ایک نہایت بااثر قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں ۔ اس طرح حضورؐ کے دو مددگار اور غم گسار یکے بعد دیگرے اٹھ گئے ۔ اس کا سب سے اہم نتیجہ یہ نکلا کہ خاندانِ بنی ہاشم کی جو پشت پناہی قبیلے کی سطح پر آپ کو حاصل تھی وہ باقی نہ رہی اب گویا قریشِ مکہ کے ہاتھ کھل گئے چنانچہ دارالندوہ میں مشرکینِ مکہ کے سرداروں نے مشورہ کیا کہ اب ہمارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں رہی لہٰذا اب ہمیں فیصلہ کن اقدام کر دینا چاہیئے یعنی محمد (صلی اللہ علیہ

وسلم، کو قتل کر دینا چاہیئے - یہ فیصلہ ہو گیا اور اہلِ مکّہ سے قطعی نا اُمیدی ہو گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ سے باہر قدم نکالا آپؐ سنہ ۱۰ نبوی میں دعوت و تبلیغ کے لئے طائف تشریف لے گئے - اس سفر میں آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ آپؐ کے ساتھ تھے - سفرِ طائف بھی سیرت کا ایک عجیب دردناک باب ہے - میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ذاتی اعتبار سے مکّہ میں حضورؐ پر وہ تشدّد نہیں ہوا جو طائف میں ایک دن میں ہو گیا - مکّہ میں آلِ یاسر - حضرت بلال، حضرت خبّاب ابن ارت اور دیگر اصحابِ رسول رضی اللہ تعالےٰ عنہم پر جو بہیمانہ مظالم ہوئے اُن کو علیٰحدہ رکھتے ہوئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شخصی اور ذاتی اعتبار سے طائف میں ایک دن میں جو کچھ گزرا اور آپؐ کو جس ذہنی کوفت، توہین، تذلیل، تضحیک رسوائی کے ساتھ جسمانی اذیّت سے سابقہ پیش آیا، دس سالہ دورِ مکّہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی - بلکہ یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ طائف کا وہ ایک دن پورے دس سالہ مکّی دور پر بھاری تھا - خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کی حیاتِ طیبہ کا سخت ترین دن 'یومِ طائف' تھا - چنانچہ غزوۂ اُحد کے بعد جس میں ستر جان نثاروں نے جان کا ہدیہ پیش کیا تھا اور خود حضورؐ بھی مجروح ہوئے تھے اور شکست کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ 'اے اللہ کے رسول! یومِ احد سے بھی زیادہ سخت دن آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں گزرا ہے'- تو حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ ہاں طائف کا دن میری زندگی کا سخت ترین دن تھا۔

بہر حال جو اصولی بات مجھے عرض کرنا تھی وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے مکّہ سے باہر دعوت و تبلیغ کے لئے دوسرے شہر یعنی طائف کا قصد اُس وقت فرمایا جب مکّہ میں آپؐ کے قتل کا فیصلہ ہو گیا اور آپ اہالیانِ مکّہ سے قطعی مایوس ہو گئے -

یثرب کی خوش بختی : ازل سے یثرب کی قسمت میں مدینۃ النبیؐ بننے کی سعادت مرقوم تھی - چنانچہ جب بظاہر احوال ہر طرف سے راستہ بند نظر آیا تو اللہ تعالےٰ نے یثرب کی کھڑکی کھول دی - سنہ ۱۰ نبوی میں حج کے موقع پر یثرب کے چھ اشخاص ایمان لے آئے - اگلے سال حج کے موقع پر بارہ ہو گئے انہوں نے بیعت کر لی جو بیعتِ عقبہ اولیٰ کے نام سے موسوم ہے - اس سے اگلے سال بہتّر مرد اور تین

خواتین نے حج کے موقع پر آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی جو بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے ۔ انہوں نے حضورؐ کو یثرب تشریف لے چلنے کی دعوت دی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یثرب کی طرف ہجرت کا راستہ کھول دیا ہے ۔ اس طرح یثرب کی قسمت جاگ گئی کہ وہ دار الہجرہ اور مدینۃ النبی قرار پایا۔

ہجرت کے بعد چھ برس وہ ہیں کہ جس کے اندر دعوتِ توحید کا دائرہ مکہ اور مدینہ تک محدود نہیں رہا بلکہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں اسکی توسیع کے عمل نے تدریج اور آہستہ روی سے ترقی کی ۔ ہجرت سے لے کر صلح حدیبیہ تک آپؐ نے جو مہمیں بھیجیں جو سرایہ بھیجے اور جو غزوات ہوئے ان کی بدولت جزیرہ نمائے عرب کا بہت بڑا علاقہ حضورؐ کی دعوت سے تفصیلاً متعارف ہو گیا۔ ویسے حج کے موقع پر عرب کے کونے کونے سے لوگ ہر سال مکہ آیا کرتے تھے اور اکثر کے کانوں تک یہ بات پہنچتی رہتی تھی کہ محمد نامی ایک شخص ۔ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ بُت پرستی کی مذمت کرتے ہیں اور اللہ واحد کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں ۔ لیکن کم لوگ ہوتے تھے جن کو دعوت سے صحیح طور پر واقفیت حاصل ہوتی تھی ۔ البتہ ہجرت کے بعد جب دعوت کو مدینہ میں تمکن حاصل ہو گیا اور قریشِ مکہ اور اہلِ ایمان کے مابین بدر، احد، احزاب جیسے معرکے ہوئے تو ان جنگوں کی بدولت دعوت توحید پورے جزیرہ نما عرب میں تفصیل کے ساتھ متعارف ہو گئی چنانچہ مختلف قبائل سے لوگ انفرادی طور پر مدینہ منورہ آیا کرتے تھے اور اسلام قبول کیا کرتے تھے ۔ اس طور پر توسیع دعوت کا عمل مسلسل جاری رہا۔

لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ ہجرت سے لے کر صلح حدیبیہ تک جو ۶ھ میں منعقد ہوئی، ان چھ سالوں کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنا کوئی داعی یا مبلغ عرب کی حدود سے باہر بھیجا اور نہ ہی اپنے کسی جان نثار کو اپنا نامہ مبارک دے کر یا کوئی پیغام دے کر بیرون عرب بھیجا ۔ البتہ جب صلح حدیبیہ ہو گئی جس کے متعلق میں عرض کر چکا ہوں کہ قرآن مجید نے اسے فتح مبین قرار دیا ـــــ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ـ تب حضورؐ کی دعوتی سرگرمیاں جہاں اندرون عرب بھی عروج پر پہنچیں ۔ وہاں حضورؐ نے بیرون عرب بھی دعوت و تبلیغ کا آغاز فرمایا جس کا

تفصیلی ذکر میں آگے کروں گا۔

صلح حدیبیہ کے اثرات کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیئے کہ کعبہ کی تولیّت کے باعث عرب میں قریش ایک نوع کی سیادت کے حامل تھے اور عرب میں سب سے بڑی قوّت متصور ہوتے تھے۔ وہی درحقیقت مشرکانہ استحصالی نظام کی اصل کلید اور اس کے پشت پناہ اور محافظ تھے۔ گویا دعوتِ توحید کے سب سے بڑے، سب سے نمایاں دشمن اور مخالف قریش ہی تھے۔ چنانچہ ۶ھ میں جب قریش نے حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرلی تو گویا انہوں نے حضورؐ کو ایک درجہ میں ایک قوت کی حیثیت سے تسلیم (Recognize) کرلیا۔ اس لئے کہ صلح اُسی سے ہوتی ہے کہ جس کے مستقل وجود اور حیثیت کو تسلیم کرلیا جائے۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کی شکل میں ایک حد تک آپؐ کو فتح حاصل ہوگئی تھی چنانچہ اندرونِ ملک عرب مسلمانوں کی قوت کو تسلیم کرنے کے بعد جہاں ایک جانب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی توجہات کو اندرونِ عرب دعوت وتبلیغ کے کام کو پورے زور شور سے انجام دینے پر مرتکز فرمایا وہاں دوسری جانب بیرونِ ملک عرب بھی اُس کام کو جاری فرمانے کا فیصلہ فرمایا۔ تاکہ آپؐ کی آفاقی وعالمی بعثت کے کام کا آغاز بھی ہوجائے ۔ صلح حدیبیہ کے بعد دو سال تک قریش اور انکے حلیفوں سے جنگ کا کوئی معاملہ پیش نہیں آیا۔ امن وامان کی کیفیت رہی چنانچہ ان دو سالوں میں دعوتِ اسلامی اتنی تیزی سے عرب میں پھیلی کہ عرب قبائل میں سے اکثر وبیشتر نے اسلام قبول کرلیا۔ اس دوران میں آپؐ نے یہودیوں کا معاملہ بھی نمٹایا۔ چنانچہ ۷ھ کے بالکل اوائل میں خیبر بھی فتح ہوگیا جو عرب میں یہودیوں کا آخری لیکن مضبوط ترین گڑھ تھا اس طرح جزیرہ نمائے عرب کی حد تک یہود کا زور، ان کا دبدبہ اور ان کا تسلط ختم ہوگیا۔

دعوت وتبلیغ کے بین الاقوامی مرحلہ کا آغاز

فتح خیبر کے بعد ۷ھ کے اوائل ہی میں حضورؐ نے اپنے دعوتی و تبلیغی نامہ ہائے مبارک دے کر چند صحابہ کرامؓ کو قیصر روم، کسریٰ ایران، عزیز مصر، بادشاہ حبشہ اور اُن رؤسائے عرب کی طرف بھیجا جو جزیرہ نمائے عرب کی سرحدوں پر آباد تھے اور جنہوں نے اُس وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ان میں سے

بعض قبائل قیصر روم کے اور بعض کسرای ایران کے باج گزار تھے۔ سیرت کی تمام مستند کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نامہ ہائے مبارک کی ترسیل سے قبل مسجد نبویؐ میں تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا اور اس خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کو بیان کیا کہ میری بعثت پوری نوع انسان کے لئے ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام جہاں والوں کے لئے رحمت اور رسول بنا کر بھیجا ہے، بمصداق آیت قرآنی:۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ میں نے اب تک دعوت تم تک پیش کی ہے۔ اب اے مسلمانو! تمہارے ذمہ ہے کہ تم اس دعوت اور پیغام کو لے کر تمام اطرافِ عالم میں پھیل جاؤ اور اللہ کی توحید کو عام کرو اور پہنچاؤ۔ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلہ کا افتتاح اس خطبہ کے ذریعہ سے فرمایا۔ اس خطبہ کا سیرت کی کتابوں میں حوالہ تو ملتا ہے۔ لیکن انتہائی تلاش کے باوجود مجھے یہ اہم خطبہ پورے متن کے ساتھ تا حال نہیں مل سکا۔ میری رائے ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ نہایت اہم خطبہ تھا۔ کاش اس کا پورا متن مل جاتا۔ تاہم مجھے امید ہے کہ صحاح ستہ کے علاوہ احادیث کی جو دوسری معتبر کتابیں ہیں ان میں سے کسی میں اس خطبہ کا پورا متن مل جائے گا جیسا کہ مجھے "نہج البلاغہ" میں حضورؐ کا ابتدائی دور کا ایک خطبہ ملا۔ جس کے متعلق میرا گمان غالب ہے کہ یہ خطبہ آپؐ نے اس دعوت میں ارشاد فرمایا ہوگا جس کا تذکرہ سیرت کی کتابوں میں ہے۔ وہ یہ کہ آپؐ نے اپنی دعوت پیش کرنے کے لئے اپنے خاندان بنو ہاشم کے افراد کو کھانے پر مدعو فرمایا۔ پہلی مرتبہ تو آپؐ کو اپنی بات پیش کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مشرکوں نے بات تمسخر میں اڑا دی۔ دوبارہ آپؐ نے پھر دعوتِ طعام کا اہتمام فرمایا اور اس موقع پر اپنی دعوت پیش فرمائی اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس میں حضورؐ نے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اسی میں آپؐ نے تمام جہاں والوں کے لئے بھی اپنے رسول ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ معاملہ گمانِ غالب کی حد تک ہے کہ یہ وہی خطبہ ہے جو "النہج البلاغہ" میں مذکور ہے۔[۱]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

لیکن "نہج البلاغہ" کے مصنف نے بھی ایسا کوئی حوالہ نہیں دیا کہ جس سے معلوم ہوتا کہ یہ وہی خطبہ ہے جو حضورؐ نے اس دعوتِ طعام میں ارشاد فرمایا۔

ضمنی طور پر عرض کرتا ہوں کہ آج صبح میں جب آج کی تقریر کا ذہن میں تانا بانا قائم کرنے کے لئے غور اور مطالعہ کر رہا تھا تو میرا ذہن حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک خطبہ کی طرف منتقل ہوا جو اناجیل میں اب بھی موجود ہے۔ جب آنجنابؑ نے دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے حواریین کو بھیجا اور رخصت کیا تو انہیں چند ہدایات دیں جو اس خطبہ میں مذکور ہیں۔ بڑا ہی پیارا، بڑا ہی فصیح و بلیغ خطبہ ہے۔ اس میں ایسے ایسے پیارے جملے ملتے ہیں کہ "دیکھو، تم نے مفت پایا ہے مفت تقسیم کرو۔ میں نے تم سے کوئی اجرت نہیں لی ہے، میں نے جو دعوتِ حق تم تک پہنچائی ہے۔ اس کا کوئی صلہ تم سے نہیں لیا ہے۔ ایسا نہ کرنا کہ اس دعوت و تبلیغ کے عوض لوگوں سے نذرانے وصول کرنا شروع کر دو، لوگوں کی مہمان نوازیوں کا لطف اٹھانا شروع کر دو۔ تم نے مفت پایا ہے، مفت تقسیم کرو"۔ اسی میں وہ جملہ بھی ہے جو ضرب المثل بن چکا ہے اور جس میں معانی و حکم کے دفتر کے دفتر پنہاں ہیں، فرمایا "سانپ کی مانند ہوشیار رہو لیکن فاختہ کے مانند بے ضرر رہو"۔ یعنی تم سے کسی کو گزند اور ضرر نہ پہنچے لیکن ایسے مٹی کے مادھو بھی نہ بن جانا کہ دوسرے تمہیں نقصان پہنچائیں۔ یہ ہے حکمت و دانائی کی انتہائی اونچی بات۔ موجودہ

ملے اس خطبہ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ حصہ جو حضورؐ کی عالمی بعثت سے متعلق ہے حسب ذیل ہے:

وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنِّيْ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَّاِلَى النَّاسِ كَآفَّةً	"اس اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف خصوصاً اور پوری نوعِ انسانی کی طرف عموماً۔"

(یہ پورا خطبہ محترم ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے نہایت جامع اور پُر تاثیر خطاب "دعوت الی اللہ" میں مل جائے گا۔ جو مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے)

اناجیل میں حضرت مسیحؑ کے جو خطبات ہمیں ملتے ہیں، ان میں میرے نزدیک مواعظ کی پوری انسانی تاریخ میں جو چوٹی کا وعظ ہے وہ ہے، پہاڑی کا وعظ (Sermon of the Mount) متی کی انجیل میں یہ پورا وعظ آپ کو مل جائے گا۔
اسی طرح وہ وعظ جس میں حضرت مسیحؑ نے دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے حواریوں کو ہدایات دی تھیں، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے نہایت موثر وعظ ہے۔

نامہ ہائے مبارک : بہر حال جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کے بین الاقوامی مرحلہ کے افتتاح کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے بعد آپؐ نے سلاطین کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط تحریر کرائے اور اپنے مختلف اصحابؓ کے ہاتھ آس پاس کے علاقوں کے حکمرانوں اور سرداروں کو اپنے نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے۔ ظاہر بات ہے کہ 'الاقرب' فالاقربؑ' کا لحاظ ضروری تھا۔ یوں تو ہندوستان بھی تھا، چین بھی تھا۔ ایشیا اور یورپ کے نہ معلوم کتنے ممالک تھے۔ لیکن پہلا دائرہ تو قریب کے علاقوں کا ہو سکتا تھا۔ ان علاقوں کا جو جزیرہ نمائے عرب کے چاروں طرف تھے۔

قیصرِ روم کے دربار میں حضرت دحیہؓ کلبی نامہ مبارک دے کر بھیجے گئے۔ یہ وہ صحابی ہیں، جن کے بارے میں روایت آتی ہے کہ وہ صورتاً اور شکلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہ تھے اور نہایت حسین تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی انسانی شکل میں تشریف لاتے تھے تو حضرت دحیہؓ کلبی کی شکل میں آتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کو خسرو پرویز کسریٰ کجکلاہ ایران کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ عزیزِ مصر کی طرف بھیجے گئے۔ مصر اس وقت ایک نیم آزاد ملک تھا جو سلطنت روما کا باج گزار تھا۔ عزیز مصر خود بھی عیسائی تھا اور سلطنت روما کے ماتحت تھا۔ حضرت عمروؓ بن امیہ کو بادشاہ حبش نجاشی کی طرف بھیجا گیا۔ حبشہ بھی مصر کی طرح سلطنت روما کا باج گزار تھا اور وہاں کا بادشاہ بھی مذہباً عیسائی تھا۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ وہ نجاشی جو ایمان لے آئے تھے اُن کا انتقال ہو چکا تھا۔ انکا ایمان اس اعتبار سے بالکل انفرادی نوعیت کا تھا کہ اس موقع پر کوئی 'MASS CONVERTION' نہیں ہوئی تھی یعنی ایسا نہیں ہوا کہ اُن کے تمام درباری اور پوری رعایا نے اسلام

قبول کر لیا ہو بلکہ قبولیت اسلام کا معاملہ ان کی ذات تک محدود تھا جب ان کے انتقال کی خبر بذریعہ وحی آنحضورؐ کو ملی تو آپ نے ان کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھائی - چنانچہ انکے بعد جو نجاشی تخت نشین ہوا وہ عیسائی تھا :۔

حضرت سلیطؓ بن عمرو بن عبدشمس روسائے یمامہ کی طرف بھیجے گئے - یمامہ جزیرہ نما عرب ہی کا شمال مشرقی علاقہ ہے - آج کل یہ علاقہ نجد میں شامل ہے - حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی حدودِ شام میں حارث غسانی کے پاس بھیجے گئے - شام بھی اس وقت سلطنتِ روما کے زیر حکومت تھا اور وہاں قیصر کی طرف سے غسانی خاندان حکمران تھا - یوں سمجھ لیجئے کہ شام کی وہی پوزیشن تھی جو انگریزی دورِ حکومت میں برصغیر کی بڑی ریاستوں کو حاصل تھی ـــ یہ تفصیل مکمل نہیں ہے، ان کے علاوہ بھی بعض روسا و سرداران کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نامہ مبارک ارسال فرمائے جن میں سے ایک کا ذکر بعد میں آئے گا -

مختلف ردِّ عمل : ان نامہ ہائے مبارک کے نتیجہ میں سلاطین کی جانب سے مختلف ردِّ عمل سامنے آتے ہیں - یہ بات نوٹ کیجیے کہ ایک طرف اُن بادشاہوں اور حکمرانوں کا ردِّ عمل ہے جو مذہبًا عیسائی تھے - ان کے مقابلہ میں بالکل برعکس ردِّ عمل ہے کسریٰ ایران کا - وہ مجوسی تھا، مشرک تھا، وہ وحی، نبوّت اور امورِ رسالت سے بالکل نابلد اور ناواقف تھا - عیسائیوں کا معاملہ یہ تھا کہ وہ اہل کتاب تھے، ان کے پاس تورات اور انجیل موجود تھی - وہ حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت اسمٰعیل، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ناموں سے واقف تھے - اور ان سب پر ایمان رکھتے ہیں - قیصرِ روم کے بارے میں مستند تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بہت بڑا عالم تھا - غزوہ بدر کے بعد اُسے کسریٰ کے مقابلہ میں فتح ہوئی تھی - جس سے چند برس قبل ہی اُس نے انتہائی توہین آمیز شکست کھائی تھی - اسی شکست کا ذکر ہے مکی سورت، سورہ روم میں بایں الفاظ : الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ ـــ رومیوں کی شکست اور ایرانیوں کی فتح پر مشرکین مکہ نے خوشیوں کے شادیانے بجائے تھے چونکہ ایرانی مجوسی تھے، آتش پرست تھے لہٰذا قریش مجوسیوں کو اپنا ہم مشرب اور ہم مسلک سمجھتے تھے - اور قیصر روم چونکہ اہل کتاب میں سے

تھا تو وہ مسلکاً مسلمانوں سے زیادہ قرب رکھتا تھا۔ اسی لئے اس موقع پر مشرکین مکہ نے بغلیں بجائیں اور اہل ایمان کو طعنے دیئے کہ ہمارے بھائیوں نے تمہارے بھائیوں کو شکستِ فاش دی۔ جس سے مسلمان بڑے غمگین و ملول ہوئے تھے۔

وحی الٰہی کی پیش گوئی : سورہ روم میں اللہ تعالٰے نے جہاں رومیوں کی ہزیمت کی خبر دی تھی وہاں مسلمانوں کو یہ خوشخبری بھی بطور پیشگوئی سنادی تھی کہ "رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے ہیں لیکن وہ عنقریب غالب آجائیں گے۔ چند برسوں ہی میں اور اگلے اور پچھلے سب کام اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ رومیوں کے فتح کے دن مسلمان فرحاں ہوں گے" :۔ الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ لا فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ لا فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۝ط لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ط وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ لا قرآن مجید کی اسی پیشگوئی کی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ایک مشرک قریشی سے یہ شرط رکھ لی تھی کہ اگر اتنے سال کے اندر اندر رومی غالب نہ آئے تو میں تمہیں سَو اونٹ دوں گا ورنہ تم مجھے سو اونٹ دوگے۔ شروع میں حضرت ابوبکر رضؓ نے شرط کی مدت کچھ کم رکھی تھی۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توجہ دلانے پر "بِضْعِ سِنِيْنَ" کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ خیال رہے کہ اس وقت تک اس نوع کی شرط کی شریعت میں ممانعت نہیں آئی تھی۔ مدنی دور میں اس نوع کی شرطیں ناجائز قرار دی گئیں۔ بہر حال نو سال سے قبل ہی رومیوں نے ایرانیوں کو بڑی عبرت ناک شکست دی۔ یہ وُہی زمانہ ہے جس میں اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو غزوہ بدر میں عظیم الشان فتح عطا فرمائی تھی۔ مسلمانوں کے لئے اُس وقت دوہری خوشی کا موقع تھا۔ ایک غزوہ بدر کی فتح کا دوسرے رومیوں کی ایرانیوں پر فتح کا۔ اور اس طرح یہ وعدۂ الٰہی بھی پورا ہوگیا کہ : وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (یعنی رومی چند سالوں کے اندر اندر ایرانیوں پر غالب آئیں گے اور وہ ایسا موقع ہوگا کہ مسلمان بھی اللہ کی مدد پر فرحاں و شاداں ہوں گے)

قیصر رُوم کی خوشی کا عالم : چند برس پہلے ایرانیوں کے ہاتھوں انتہائی شرمناک شکست کھانے کے بعد ان پر عظیم فتح پانے پر قیصر کتنا خوش اور فرحاں ہوگا اس کا ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کی شادمانی اور مسرت کا یہ عالم تھا کہ وہ اس فتح کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے حمص سے (جو شام اور ترکی کی سرحد پر واقع شام کا شہر ہے) پیدل چل کر بیت المقدس (یروشلم) اس شان سے آیا تھا کہ راستہ بھر اس کے لئے زمین پر فرشی قالین اور اُس پر پھول بچھائے جاتے تھے۔ بیت المقدس عیسائیوں کا قبلہ اور متبرک ترین مقام تھا تو وہ ایشیائے کوچک کے کنارے سے پیدل چل کر اپنے قبلہ کی زیارت اور فتح پر شکرانہ پیش کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔

قیصر کے نام حضورؐ کا نامۂ مبارک : حضرت دحیہؓ کلبی جو قیصر روم کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک لے کر چلے تھے جب دمشق کے قریب بصریٰ کے مقام پر پہنچے جو غسانیوں کا دارالحکومت تھا تو اُن کو پتہ چلا کہ قیصر ان دنوں یروشلم میں ہے۔ اس وقت اس خاندان کا رئیس حارث غسانی تھا حضرت دحیہؓ نے حضورؐ کا نامہ مبارک اُسے دیا کہ اسے قیصر تک پہنچا دیا جائے۔ حارث غسانی نے حضرت دحیہؓ کو قیصر کے پاس بیت المقدس بھیج دیا۔ چنانچہ وہؓ حضورؐ کا نامہ مبارک لے کر یروشلم پہنچ گئے۔ میری خواہش ہے کہ میں وہ خط بھی آج آپ کو پڑھ کر سنادوں۔ اور اس پر قیصر کے دربار میں جو معاملہ ہوا اُس پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالوں۔ تاکہ آپ حضرات کو معلوم ہو کہ درحقیقت اہل کتاب (خاص طور پر عیسائیوں کے طرزِ عمل میں، جن کا اس وقت سب سے بڑا اعلامتی نمائندہ قیصر روم تھا) اور مشرکین کے طرزِ عمل میں، جن کا اس وقت سب سے بڑا اعلامتی نمائندہ کسریٰ شہنشاہ ایران تھا، کیا نمایاں فرق ہمارے سامنے آتا ہے اور اُس کا سبب کیا ہے۔!

قیصرِ رُوم کا طرزِ عمل : جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جب قیصر کو پہنچا تو چونکہ وہ خود توراۃ وانجیل کا عالم تھا لہٰذا خط پڑھتے ہی وہ جان گیا کہ یہ وہی آخری رسول ہیں کہ جن کی بعثت کی ہمارے یہاں پیش گوئیاں موجود ہیں ——— آخر وہ بھی شام کا عیسائی راہب ہی تھا جس نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو یہ خبر دیکر مدینہ کی طرف بھیجا تھا کہ میرا علم بتاتا ہے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور کا وقت آگیا ہے اور ان کی بعثت عرب کے ریگستان اور کھجوروں کے جھنڈ میں ہوگی معلوم ہوا کہ یہ بات تو عیسائیوں کے خدا ترس رہبان و احبار بھی جانتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت اب قریب ہے ۔ قیصر نے اس خیال کا اظہار کیا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ آخری نبی کا ظہور شام میں ہوگا، مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کی بعثت عرب میں ہو گی ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر اور آپؐ کو پہچان کر قیصر کا جو طرز عمل سامنے آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چاہتا تھا کہ اگر میری پوری مملکت ایمان لے آئے تو گویا ہم اجتماعی طور پر (En Bloc) مسلمان ہو جائیں گے، اور اس طرح میری مملکت بھی قائم رہے گی اور میری حکومت برقرار رہے گی ۔ گذشتہ کسی تقریر میں سُورۃ توبہ کی آیت کے حوالہ سے میں یہ بات آپ کو بتا چکا ہوں کہ غیر عرب غیر مسلموں کے لئے مسلمانوں کی تین شرطیں ہوتی تھیں ۔ ایک یہ اگر تم ایمان لے آؤ تو تم ہمارے بھائی ہو گے، تمہاری تمام املاک، تمہاری عزت و آبرو الغرض تمہاری ہر شے محفوظ اور برقرار (Intact) رہے گی ۔ تمہیں وہ تمام حقوق مساوی طور پر حاصل ہونگے جو بحیثیت مسلمان ہم کو حاصل ہیں ۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ منظور نہیں ہے، ایمان نہیں لاتے تو چھوٹے ماتحت اور ذمّی بن کر رہو اور جزیہ ادا کیا کرو : یُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ہ ملکی قانون (Law of the land) بہر صورت اسلام کا ہوگا ۔ ہاں کسی کو بزور شمشیر اسلام لانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا ۔ تمام غیر مسلموں کو ان کے احوالِ شخصیہ (Personal law) میں پوری آزادی ہو گی حتیٰ کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق پوجا پاٹ کا جو طریقہ اختیار کرنا چاہیں، اس میں اسلامی حکومت کوئی مداخلت نہیں کرے گی ۔ اور تیسرے یہ کہ اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر میدان میں آؤ ۔ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی ۔ ان تین کے سوا چوتھی اور کوئی صورت، کوئی اور Alternative نہیں ہے ۔

قیصر کی اس خواہش اور کوشش کا بھی ایک تاریخی پس منظر ہے کہ اس کے عمائدین سلطنت اور اس کی رعیت مجموعی طور پر ایمان لے آئے اور اسلام کو

سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہو جائے ۔جن لوگوں نے یورپ اور خاص طور عیسائیت (Christianity) کی تاریخ پڑھی ہے، ان کے علم میں ہوگا کہ رفعِ حضرت مسیحؑ کے قریباً ساڑھے تین سو برس بعد رومۃ الکبریٰ (موجودہ اٹلی) کے شہنشاہ کنسٹنٹائن (قسطنطین) اور اس کی پوری رعایا نے مجموعی طور پر (En Bloc) عیسائیت قبول کر لی تھی ۔ لہٰذا کسی نوع کا اعتقادی یا سیاسی مسئلہ اور تنازعہ کھڑا نہیں ہوا اور کنسٹنٹائن (قسطنطین) کی شہنشاہیت جُوں کی تُوں برقرار رہی ۔ اسی سبب سے ایک طرف یورپ میں عیسائیت نے فروغ پایا اور دوسری طرف شاہ روم نے اپنا پایہ تخت روم کو چھوڑ کر استنبول کو قرار دیا اس کے نام پر اس کا قسطنطنیہ نام رکھا گیا اور وہاں سے اس نے ایشیائے کوچک اور شمالی افریقہ پر فوج کشی کی اور عیسائیت کو فروغ دینے کی مہمات شروع کیں جن میں اس کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ــــ اس تاریخی تناظر میں دیکھئے تو قیصر کا طرزِ عمل سمجھ میں آتا ہے ۔ چنانچہ نامۂ مبارک کے ذریعے حضورؐ کو پہچان لینے کے بعد اس کی خواہش ہوئی کہ اسکی پوری مملکت اسی طرح عیسائیت کو قبول کرے جیسے قریباً ساڑھے تین سو سال قبل پوری سلطنت روم نے عیسائیت کو بطور مذہب اختیار کر لیا تھا تاکہ اسکی حکومت قائم و باقی رہے ۔

لیکن اس کے لئے تدبیر کیا ہو؟ یہ مسئلہ اس کے سامنے تھا ۔ بڑے بڑے جغادری عیسائی علماء دربار میں موجود تھے، قسیسین تھے، بطریق تھے، پھر تمام عمائد و اعیانِ حکومت تھے، پھر فوج تھی، اب سب کو کس طرح راضی کیا جائے میں کہا کرتا ہوں کہ بادشاہ بھی تمام انسانوں کی طرح کا ایک انسان ہوتا ہے ۔ سب انسانوں کی طرح اس کے بھی دو ہاتھ، دو ٹانگیں ہوتی ہیں، وہ ہزار ہاتھ اور ٹانگوں والا تو نہیں ہوتا ـ وہ بھی ایک عام انسان ہی کی طرح کا انسان ہوتا ہے اس کے سوا کوئی اور خصوصیت اس میں نہیں ہوتی کہ وہ بادشاہ ہوتا ہے ۔لیکن اس کی بادشاہت تو عمائدینِ سلطنت اور دس ہزاری، بیس ہزاری، تیس ہزاری منصب داروں اور امراء (LORDS) کے بل پر قائم ہوتی ہے ۔ لہٰذا جب تک یہ لوگ مطمئن ہو کر ایمان نہ لائیں اسکی حکومت کو خطرہ لاحق رہے گا ــ

کچھ دیر توقف کیا، ایک تدبیر اُس کے ذہن میں آئی - اپنے درباریوں سے پوچھا کہ ان دنوں عربوں کا کوئی تجارتی قافلہ تو یہاں نہیں آیا! بتایا گیا کہ عربوں کا ایک تجارتی قافلہ اس علاقے میں آیا ہوا ہے اور فی الوقت غزہ میں مقیم ہے - قیصر نے فوراً قاصد بھیج کر قافلے کے لوگوں کو یروشلم بلا لیا - اس قافلہ کے رئیس ابوسفیان تھے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ انہوں نے ۸ھ میں یوم فتح مکہ سے متصلاً قبل والی شب کو اسلام قبول کیا تھا - میں ان کا نام ادب سے اس لئے لے رہا ہوں کہ ان کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے -

قیصر کا دربار : ہرقل قیصر روم نے ایک عالی شان دربار منعقد کیا - اس موقع پر بیت المقدس میں اس کے جو اعیان و عمائد مملکت اور سپہ سالار موجود تھے، ان کو جمع کیا - پھر بطارقہ، قسیسین اور احبار و رہبان کی صفیں لگوائیں اور دربار میں ابوسفیان کو ان کے ہمراہیوں سمیت بلایا گیا - پہلے تو دربار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا گیا - میں چاہوں گا کہ حضورؐ کا یہ نامہ مبارک آپ حضرات کو کتاب میں سے پڑھ کر سنا دوں - اس نامہ گرامی کا متن ابن ہشام اور طبری نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور بحمداللہ یہ نامہ مبارک اپنی اصل حالت میں اب بھی قسطنطنیہ کے 'عجائب خانہ' میں موجود ہے

حضورؐ کا نامۂ مبارک : نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کرایا:

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	ترجمہ :- "(یہ خط) محمد (صلی اللہ
اِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ،	علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے
سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ	بندے اور اس کے رسول ہیں،
الْهُدٰی، اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ	ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس
اَدْعُوْكَ بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ،	اعظم ہے - سلامتی ہے ہر اس شخص
"اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِكَ اللّٰهُ	کے لئے جس نے ہدایت (ربانی)
اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ فَاِنْ	کی پیروی کی - اس کے بعد (اے
تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْكَ اِثْمُ	رئیس اعظم!)، میں تجھے دعوت
الْاَرِیْسِیِّیْنَ، وَیَا اَهْلَ	اسلام کی طرف بلاتا ہوں اسلام

الکتاب! تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ"

قبول کرے تو تو سلامت رہے گا۔ (بلکہ) اللہ تعالیٰ تجھے دہرا اجر عطا فرمائے گا اور اگر تو نے (قبول کرنے سے) اعراض کیا تو نہ صرف تو اکیلا مجرم ٹھہرے گا بلکہ اہل ملک کا گناہ (بھی) تیرے اوپر ہوگا۔

اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف پیش قدمی کرو جو ہمارے اور تمہارے مابین مساوی ہے (وہ) یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں اور نہ ہی ہم اس ہستی کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو (اپنا) پروردگار تسلیم کرے پس اگر وہ (اہل کتاب دعوت اسلام کو قبول کرنے سے) اعراض کریں۔ تو (اے مسلمانو! تم (انہیں) کہہ دو کہ اے اہل کتاب ہمارے معاملہ میں (تم گواہ رہو کہ ہم تو ہر حال میں اس دعوت پر سر تسلیم خم کر دینے والے ہیں۔"

نامہ مبارک کے چند اہم نکات: نامہ مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات رقم کرائی کہ: یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ۔ تو حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اہل کتاب میں سے جو مجھ پر ایمان لاتا ہے اُسے اللہ دوہرا اجر دیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ پہلے نبیوں اور رسولوں کو ماننے والا بھی تھا اور اب وہ مجھ پر بھی ایمان لے آیا ہے ـــ آگے جو حصہ ہے کہ: فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمُ الْاَرِیْسِیِّیْنَ ـــ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کی حیثیت ایسی ہوتی ہے، جیسے قیصر روم کی تھی کہ اگر وہ ایمان لے آتا تو چاہے پوری رعیت ایمان نہ لاتی لیکن لاکھوں لوگ تو ایمان لے آتے تو اُن کا اجر بھی اس کے حصہ میں آتا۔ لیکن اس نے روگردانی کی جس کے باعث رومی دولت ایمان سے محروم ہو گئے تو ان کا وبال بھی قیصر کے حصہ میں آئے گا۔ اس لئے کہ کسی ملک، کسی قوم، کسی قبیلہ کے سربراہ کفر پر اڑے رہیں

تو وہ دعوتِ اسلامی کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوتے ہیں جو بھی نظامِ باطل کسی جگہ قائم ہوتا ہے تو وہ نظامِ حق کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتا ہے۔ لہذا حضورؐ نے اس بات کو ایک مختصر سے جملہ میں نہایت بلاغت و فصاحت کے ساتھ سمو دیا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ آلِ عمران کی آیت نمبر ۶۴ اپنے نامہ مبارک میں درج کرائی ہے۔ اکثر اہلِ علم کی رائے ہے کہ قرآن مجید میں اہلِ کتاب کو توحید کی دعوت اور اسلام کا پیغام دینے کے جتنے بھی اسالیب آئے ہیں ان میں اس آیت کا اسلوب نہایت بلیغ اور موثر ترین ہے۔ نجران سے جب عیسائی احبار و رہبان کا ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام کی دعوت سمجھنے کے لئے آیا تھا تو اس موقع پر حضورؐ پر جو وحی نازل ہوئی تھی، اسی میں یہ آیتِ مبارکہ بھی شامل ہے۔ اس سے اس کی عظمت، اس کے جلال، اس کی تاثیر اور اس کے محکم ہونے کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس وقت میں چاہوں گا کہ اس آیتِ مبارکہ کے اس حصہ: وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ — ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا ربّ نہ بنالیں، کے ضمن میں ایک نکتہ عرض کرتا ہوں۔ اللہ کے سوا جن ہستیوں کو ربّ بنایا جاتا ہے ان میں مذہبی رب بھی ہوتے ہیں، جیسے اصنام اور مظاہر قدرت کی پرستش، اوتار اور حلول کے اور اسی نوع کے دوسرے عقائد۔ اور سیاسی نوعیت کے ربّ بھی ہوتے ہیں یعنی جسے بھی اللہ کے سوا مختار و مطاعِ مطلق تسلیم کرلیا جائے، وہی تسلیم کرنے والوں کا ربّ ہے۔ درحقیقت فرعون و نمرود نے خدائی کا دعویٰ اسی اعتبار سے کیا تھا کہ وہ بادشاہ اور حاکم مطلق ہیں، اسی لئے وہ اپنی رعیت کے رب اور خدا ہیں۔ یہ دراصل سیاسی شرک ہے۔ آج جو لوگ عوام کی مطلق حاکمیت کے نظریہ کے حامی اور پرچارک ہیں وہ اسی سیاسی شرک میں مبتلا ہیں۔ لیکن عظیم اکثریت کو اس کا شعور حاصل نہیں ہے۔

قیصر اور ابوسفیان مکالمہ: اس کے بعد قیصر اور ابوسفیان کے مابین جو مکالمہ ہوا وہ میں آپ کو ابھی علامہ شبلیؒ کی سیرت النبیؐ کی جلد اوّل سے پڑھ کر سناؤں گا۔ اس مکالمہ پر غور کریں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ ہرقل نے

ابوسفیان سے بالکل اُسی انداز میں جرح کی جیسے وکلاء بحث و جرح کرتے ہوئے حقائق و دلائل کو واضح کرنے کے لئے اُس نوع کے سوالات کرتے ہیں جنہیں SUGGESTIVE QUESTIONS کہا جاتا ہے یعنی ایسے سوالات کرنا کہ جن کے جوابات کے ذریعے از خود جرح کرنے والے کے موقف کی تائید ہوتی چلی جائے اور بات اس انداز میں کھل کر سامنے آجائے کہ سامعین کے لئے حق کو پہچان لینا بالکل آسان ہوجائے۔ ابوسفیان سے ہرقل نے جس گہرائی کے ساتھ سوالات کئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس پایہ کا عالم تھا اور یہ کہ وہ حضورؐ کو نبی آخرالزمان کی حیثیت سے پہچان چکا تھا۔ ایک بات اور بتا دوں۔ ابوسفیان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ایک قول ملتا ہے جو ایمان لانے کے بعد کا ہے کہ "خدا کی قسم، اُس مکالمہ کے دوران کئی بار میرا جی چاہا کہ میں جھوٹ بول دوں"۔ اس لئے کہ قیصر کے سوالات مجھے گھیرتے چلے جا رہے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے پاؤں تلے زمین کھسک رہی ہے ۔۔ لہٰذا میں نے کئی بار سوچا کہ جھوٹ بول دوں۔ لیکن میں نے سوچا کہ میرے ساتھی کیا کہیں گے کہ قریش کا اتنا بڑا سردار ہو کر جھوٹ بول رہا ہے۔ چنانچہ میں اس وجہ سے جھوٹ نہیں بول سکا۔ اس بات سے عربوں کی یہ ایک مزاجی خصوصیت سامنے آتی ہے کہ بے شمار برائیوں کے باوجود ان میں چند اعلیٰ انسانی اوصاف موجود تھے ۔۔ مکالمہ ملاحظہ فرمائیے۔

قیصر ــــــ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان ــــــ شریف ہے۔

قیصر ــــــ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان ــــــ نہیں،

قیصر ــــــ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان ــــــ نہیں۔

قیصر ــــــ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے، وہ کمزور لوگ ہیں ــــــ یا صاحب اثر؟

ابوسفیان ــــــ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر ——— اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں ؟
ابوسفیان ——— بڑھتے جاتے ہیں ۔
قیصر ——— کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے ؟
ابوسفیان ——— نہیں ۔
قیصر ——— وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے ؟
ابوسفیان ——— ابھی تک تو نہیں کی، لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں ۔
قیصر ——— تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی ؟
ابوسفیان ——— ہاں ۔
قیصر ——— نتیجہ جنگ کیا رہا ؟
ابوسفیان ——— کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ ۔
قیصر ——— وہ کیا سکھاتا ہے ۔
ابوسفیان ——— کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو سچ بولو، صلہ رحمی کرو ۔

اس مکالمہ پر قیصر کا تبصرہ :

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ اس مکالمہ کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے یہ تبصرہ کیا :

" تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر اچھے خاندانوں میں پیدا ہوتے ہیں ۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوّت کا دعویٰ نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے ۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے ۔ تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا، وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے ۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے (تو) پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں ۔ تم نے تسلیم

کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال
ہے کہ بڑھتا جاتا ہے ۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا،
پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے ۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ و عفاف کی
ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائیگا۔
مجھے یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ
عرب میں پیدا ہوگا ۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔"
یہ ہے ہرقل قیصر روم کا تبصرہ جو کتبِ سیر میں محفوظ ہے ۔

قیصر کی بدبختی : اب اصل امتحان آتا ہے، جرأت کا، ہمت کا، قربانی کا ایثار کا ۔ اور اس بات کا کہ حق کے لئے کیا کچھ چھوڑنے کے لئے انسان تیار ہوتا ہے ۔ اس مکالمہ کے دوران قیصر نے محسوس کیا کہ جیسے جیسے گفتگو آگے بڑھ رہی ہے اور درباریوں کو اندازہ ہوتا جا رہا ہے کہ قیصر کا جھکاؤ اسلام کی جانب ہے ۔ اسی نسبت سے دربار میں موجود بطارقہ، اور احبار و رہبان کے نتھنے اندرونی غیظ و غضب کے باعث پھول رہے ہیں، اور برہمی و غصہ سے ان کی آنکھیں سُرخ انگارہ ہو رہی ہیں اور اسی طریقے سے اس نے اپنے عمائد و اعیانِ حکومت اور اپنے سپہ سالاروں کے تیور بگڑتے ہوئے دیکھے تو اسے اپنے اقتدار کو خطرہ محسوس ہوا اور اس صورتِ حال سے خوف زدہ ہو کر اس نے عربوں کو دربار سے اٹھا دیا اور حضورؐ کے سفیر حضرت دحیہؓ کلبی کو کسی جواب کے بغیر واپس جانے کا حکم سنا دیا ۔ ورنہ قرائن بتاتے ہیں کہ اس کے دل میں نورِ ایمان کی کرن پہنچ چکی تھی لیکن تاج و تخت، اقتدار و حکومت اس کے پاؤں کی بیڑیاں بن گئیں اور حق کی روشنی بجھ گئی ۔ اقتدار، حکومت، غلبہ، قیادت و سیادت اور تکبر وہ چیزیں ہیں جو حق کو تسلیم کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹیں بن جایا کرتی ہیں ۔ قرآن مجید میں یہود کے علماء کے بارے میں فرمایا گیا : یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ ۔ "وہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۔" لیکن پہچاننا اور ہے، ماننا اور ہے ۔ پھر محض زبانی ماننا اور ہے، دل سے یقین کرنا اور ہے ۔ یہ تو کئی مراحل ہیں ۔ (باقی ص۴۹ پر)

Sabro

**Airconditioning &
Refrigeration
equipment**

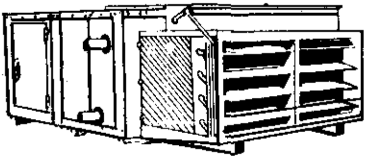

Offers a Wide Product Range
to Meet Varied

Need

Sabro

UNIQUE PAKISTANI AIRCONDITIONING EQUIPMENT

S.A BROTHERS

17-B, 5th ROAD, SATELLITE TOWN RAWALPINDI Ph. Offices 843225, 843414 – Factory 844989
TELEX. 5666 SABRO PK CABLE SABRO RAWALPINDI (PAKISTAN)

Be-Bel

رفتار کار

تربیّت و تزکیہ اور توسیعِ دعوت قدم بقدم

مرتّب : چودھری غلام محمّد

تنظیم اسلامی کے فکر و دعوت کی اساس قرآن مجید ہے ۔ جناب امیر تنظیم اسلامی نے حلقہ ہائے درس قرآن ہی سے اس کام کا آغاز کیا ۔ انہی مجالس میں قرآن مجید کی پکار اور دعوت کا بدلل اور دلنشیں انداز میں بیان ہوا اور لوگوں کے سامنے فرائض دینی کا ایک جامع تصور آیا ۔ ان فرائض دینی کی بجا آوری کے لئے عملی جدوجہد کی پکار پر کچھ بندگان خدا امیر تنظیم اسلامی سے ہجرت وجہاد اور ترک و اختیار کی بیعت کرکے ان کے رفیق سفر بن گئے ۔ تنظیم اسلامی کے نام سے یہ قافلہ تشکیل پایا اور بفضلہ تعالیٰ بتدریج ارتقائی مراحل طے کرتا رو بمنزل رواں دواں رہا ۔ تاآنکہ یہ محسوس ہونے لگا کہ محض تعلیم و تعلم اور علم و آگہی کی پرسکون کیفیت گرمئ رفتار کے لئے کافی نہیں ۔ حرکت اور کشمکش کی تپش بھی ازبس ضروری ہے ۔ چنانچہ میاں محمد نعیم صاحب ناظم تنظیم اسلامی پاکستان گذشتہ کئی ماہ سے اسی رُخ پر محنت کررہے ہیں ۔ تاہم امیر تنظیم اسلامی لاہور کی اضافی ذمہ داری کی وجہ سے ان کی توجہ کا ارتکاز لاہور اور گردو نواح ہی پر ہوسکا ہے گذشتہ ماہ جناب امیر تنظیم اسلامی نے انہیں امیر تنظیم اسلامی لاہور کی اضافی ذمہ داریوں سے فارغ کرکے بیرونِ لاہور توجہ کرنے کا حکم صادر فرمایا ۔ چنانچہ گذشتہ ماہ کے دوران ہی موصوف پنجاب اور سرحد کے اکثر مقامات (گوجرانوالہ ۔ وزیر آباد ۔ سیالکوٹ گجرات ۔ اسلام آباد ۔ راولپنڈی ۔ پشاور فیصل آباد ۔ ملتان ۔ شجاع آباد) پر گئے ۔ رفقاء و احباب سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ رفقاء کے اجتماعات خصوصی میں باہم مشورے کے بعد آئندہ کے نقشہ ہائے کار متعین کئے ۔ مختلف مقامات پر دعوتی اور اصلاحی مہم کیلئے منصوبہ بندی کی اور مناسب مواقع پر خطاب عام اور سوال و جواب کی نشست کا بھی اہتمام کیا ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان مقامات پر کام کی جو کچھ ابتدا ہوسکی ہے ۔ اس کی مختصر جھلکیاں آپ آئندہ سطور میں ملاحظہ فرما سکیں گے ۔ امیر تنظیم اسلامی لاہور کی ذمہ داری

جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کو تفویض کی گئی ہے اور ہمارے دو مستعد رفقائے کار چوہدری محمد اسحاق صاحب اور ڈاکٹر عارف رشید صاحب نائب امرائے تنظیم اسلامی لاہور کی حیثیت سے ان کے معاون و مددگار ہیں۔ ان حضرات نے گذشتہ ماہ کے دوران لاہور میں بھرپور محنت کی ہے۔ اُسرہ جاتی نظام کو از سرِ نو منظم کیا۔ مختلف سطح پر اجتماعات کے نظام کو درست کیا۔ رفقاء کے مسائل سے آگاہی کی خاطر بھی ملاقاتوں کا خصوصی اہتمام کیا۔ اگرچہ مختلف مقامات پر درسِ قرآن کی محافل کا اہتمام جاری تھا۔ تاہم جناب امیر تنظیم اسلامی کی دوربین نگاہوں نے یہ محسوس کیا کہ قرآن مجید ہمارے فکر و دعوت کی اصل ثابت ہے اس پر مزید توجہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ لاہور میں مزید دس مقامات پر ہفتہ وار درسِ قرآن کا اہتمام کر دیا گیا ہے۔ ان حلقہ ہائے دروسِ قرآن کے لئے بھرپور محنت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس میں برکت عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گذشتہ دنوں تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقدہ ہفت روزہ تربیتی اجتماع کے دوران رفقائے تنظیم اسلامی ایک وسیع رابطہ عوام مہم کے تجربہ سے گزرے تھے۔ رفقائے تنظیم گروپس کی شکل میں نکلے اور انہوں نے مختلف مقامات پر مختلف انداز میں لوگوں سے رابطہ قائم کیا اور انہیں اس مخدوش اور انتہائی تشویش ناک صورتِ حال کی طرف متوجہ کیا، جس سے ہم ملکی اور ملی سطح پر دوچار ہیں۔ یہ صورتِ حال نتیجہ ہے ہماری اُن بداعمالیوں اور بدعہدیوں کا جن کا ارتکاب ہم مسلسل انفرادی اور اجتماعی سطح پر کر رہے ہیں۔ لوگوں کو توجہ دلائی گئی کہ اس سے نجات کی واحد صورت توبہ اور انابت الی اللہ ہے۔ انفرادی سطح پر توبہ یہ ہے کہ انسان معصیت سے رُک جائے اور احکاماتِ الٰہی پر کاربند ہو جائے۔ اور اجتماعی توبہ کا مظہر یہ ہوگا کہ اس سرزمین میں شریعتِ اسلامی کے نفاذ کا وعدہ پورا کیا جائے۔ اگر خدانخواستہ ہم احکاماتِ الٰہی کو پاؤں تلے روندنے اور شریعتِ اسلامی سے اعراض کی روش پر کمربستہ رہے تو اس ملک کے وجود کی وجہ جواز باقی نہ رہے گی اور بالآخر عذابِ خداوندی ہمیں تہس نہس کر دے گا۔ تربیتی اجتماع کے موقعہ پر رفقاء تنظیم اسلامی اس پکار کو لے کر لاہور اور اس کے گرد و نواح میں پھیل گئے۔ پیشِ نظر یہ بھی تھا کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء اس رابطہ عوام کی مہم کے آداب اور ضروریات سے پوری طرح واقف ہو جائیں۔ اور اس کی عملی تربیت حاصل کرنے کے بعد اپنے علاقہ میں واپس جا کر قریہ قریہ توبہ کی اس منادی کا اہتمام کریں۔ شاید کہ یہ بات دلوں میں اتر جائے۔ اور اہلیانِ وطن بارگاہ الٰہی میں جھک جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو پکاریں اور تلافی مافات

پرکمربستہ ہوں - اور منافقت کی روش چھوڑ کر شریعت اسلامی کے حصار میں محفوظ و مامون ہو جائیں - الحمد للہ رفقاء تنظیم اسلامی نے اطراف و اکناف ملک میں اس کا حتی الوسع اہتمام کیا ہے اور اس کے لئے مزید کوششیں جاری ہیں - اس ضمن میں بعض مقامات سے موصولہ تفصیلات کا اجمالی تذکرہ متعلقہ رپورٹس سے اقتباسات کی شکل میں درج ذیل ہے -

فیصل آباد

یکم جنوری ۸۷ء کو فیصل آباد میں ۲۷ رفقائے تنظیم اسلامی نے ایک دعوتی اور اصلاحی مہم میں شرکت کی - رفقاء کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور قریباً ۱۱ بجے یہ گروپ میاں محمد یوسف صاحب کے گھر سے روانہ ہوئے - ہر گروپ کے پاس دس بورڈ تھے جن پر قرآن و حدیث کے حوالے سے مختلف ترغیبی اور ترہیبی تحریریں درج تھیں - ایک دو ورقہ "کراچی میں قیامتِ صغریٰ" کافی تعداد میں بغرض تقسیم موجود تھا - ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب اور جناب اقبال حسین صاحب کی قیادت میں یہ گروپ مختلف بازاروں سڑکوں، مارکیٹوں اور دیگر پرہجوم مقامات پر گشت کرتے رہے - دو ورقہ تقسیم کیا - حسبِ ضرورت مختصر گفتگو اور وضاحت کی - مناسب مقامات پر مختصر خطاب بھی کیا اور یہ سلسلہ نمازِ ظہر اور اسکے بعد تک بھی جاری رہا -

میاں محمد نعیم صاحب قیم تنظیم اسلامی ۹ جنوری کو متحدہ شریعت محاذ کے اجلاس میں شرکت کے لئے فیصل آباد تشریف لائے - انہوں نے رفقائے تنظیم اسلامی فیصل آباد کے ایک ہنگامی اجتماع میں شرکت کی اور فیصل آباد میں آئندہ دعوتی مہم کی منصوبہ بندی کی - چنانچہ رفقائے تنظیم اسلامی فیصل آباد نے ۱۵ جنوری تا ۱۷ جنوری ایک سہ روزہ مہم کا اہتمام کیا - اس میں میاں محمد نعیم صاحب کی معیت میں بعض رفقائے تنظیم اسلامی لاہور نے بھی شرکت کی - دو روز بعد نمازِ ظہر اور جمعۃ المبارک کو اجتماع جمعہ کے اوقات میں حسبِ معمول دعوتی مہم کے لئے نکلے اور بقیہ اوقات میں کچھ تربیتی پروگرام اور باہمی افہام تفہیم میں بسر ہوئے - رفقاء تنظیم اسلامی فیصل آباد نے بعد ازاں بھی دعوت و تبلیغ اور ذاتی تربیت کی غرض سے یہ پروگرام جاری رکھے ہیں - چنانچہ ۲۸ جنوری کو فیصل آباد میں اور ۱۱ فروری کو نواحی قصبہ جھمرہ میں یہ پروگرام ہوا جس میں ۱۵ رفقائے فیصل آباد نے حصہ لیا -

(مرسلہ: غلام اصغر صدیقی)

مُلتان

۲۵ دسمبر ۸۶ء سے یکم جنوری ۸۷ء تک قرآن اکیڈمی لاہور میں کل پاکستان سطح پر ایک تربیتی اجتماع منعقد ہوا۔ اس تربیتی اجتماع میں میاں محمد نعیم صاحب نے رفقاء کو تنظیم کی "رابطہ عوام مہم" کا طریقہ عملی انداز میں کر کے بتلایا اور تمام رفقاء چار دن تک اس کی مشق کرتے رہے چونکہ رفقاء کا تعلق پورے پاکستان سے تھا تو اب ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں رفقاء جا کر لوگوں کو دعوت دیں کہ وہ اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور صحیح معنی میں مسلمان بنیں اور تنظیم کے حلقہ میں شامل ہو کر اقامت دین کی جد وجہد شروع کریں۔ اسی ضمن میں ۲۹ تا ۳۱ جنوری کو تنظیم اسلامی ملتان نے ملتان میں "رابطہ عوام" مہم کا پروگرام بنایا اور مرکز سے رہنمائی بھی چاہی۔ چنانچہ ۲۸ جنوری کو مرکز سے ۱۱ افراد پر مشتمل قافلہ قیم تنظیم کی امارت میں لاہور سے روانہ ہوا۔ ایک دن قبل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہاں جا کر انتظامات بھی دیکھنے تھے۔ الحمد للہ کہ امیر تنظیم اسلامی ملتان جناب ڈاکٹر کرنل (ریٹائرڈ) حافظ غلام حیدر ترین صاحب نے رفقاء تنظیم اسلامی ملتان کے تعاون سے اپنے طور پر انتظامات اتنے منظم اور مربوط بنائے تھے کہ اس میں کسی ردّ و بدل کی گنجائش نہ تھی۔ ضرورت کے مطابق موزوں بورڈ بنوا لئے گئے تھے۔ اُن کے لئے عبارتوں کو مرتب کرنے اور لکھوانے میں جناب سعید گھمٹہ اور عبدالغنی صاحب کی محنت و کوشش کا بہت دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

۲۹ جنوری کو ظہر کی نماز پروگرام کے مطابق تمام رفقاء ملتان، وہاڑی اور شجاع آباد نے جن کی تعداد تقریباً ۴۰ تھی اعلی والی مسجد میں ادا کی۔ نماز کے بعد دعا کر کے مسجد سے باہر نکلے۔ سب سے پہلے قیم تنظیم اسلامی ملتان ڈاکٹر محمد طاہر خان خاکوانی نے پہلے کارڈ اٹھایا ہوا تھا۔ اور اسکے بعد تیرہ رفقاء نے پلے کارڈ اٹھا رکھے تھے۔ جن پر مختلف ترغیبی و ترہیبی چھوٹے چھوٹے جملے لکھے ہوئے تھے۔ اور تنظیم کی دعوت مختصر جملوں میں تحریر تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ تقریباً آٹھ رفقاء تنظیم کا منشور اور کراچی کے افسوسناک واقعات کے حوالہ سے ایک دو ورقہ لوگوں میں تقسیم کرتے رہے۔ مزید برآں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر رک کر کارنر میٹنگ کی صورت میں جمع ہوتے لوگوں سے خطاب کیا گیا۔ اور انہیں تنظیم کی دعوت پہنچائی گئی۔

عصر کی نماز پاک گیٹ کی مسجد میں ادا کی گئی۔ امام مسجد صاحب نے بڑی فراخ ظرفی کا معاملہ فرمایا۔ اور انہوں نے جماعت سے فراغت کے بعد ہمارے رفیق کار کو خطاب

کرنے کی دعوت دی۔جس پر مولانا شبیر احمد نورانی صاحب نے انتہائی مختصر مگر جامع خطاب فرمایا۔اور لوگوں کو اصلاح احوال کی دعوت دی۔نماز کے بعد رفقاء تنظیم پھر پلے کارڈ اٹھائے مسجد سے روانہ ہوئے اور را ملی والی مسجد جہاں سے کہ پروگرام شروع کیا تھا۔وہیں آکر اختتام کیا۔۳۰ جنوری جمعہ کا دن تھا چونکہ ملتان میں بھی جمعہ بازار لگتا ہے۔لہذا پروگرام یہ بنایا گیا کہ صبح آٹھ بجے سے جمعہ بازار میں رابطہ عوام مہم کا آغاز کیا جائے اور طریقہ کار وہی ہو۔جو کہ کل اختیار کیا گیا تھا۔اس طرح ملتان ریلوے سٹیشن پر بھی مہم چلائی جائے۔بحمد للہ یہ کام ۱۱:۳۰ بجے تک تمام رفقاء جوش و خروش سے انجام دیکر وہاں سے دفتر تنظیم اسلامی ملتان پہنچے۔کھانے کے بعد پھر جمعہ کے لئے مختلف مساجد کا انتخاب کر کے مختلف پارٹیاں ترتیب دی گئیں اور انہوں نے منتخب شدہ جگہوں پر جا کر نمازِ جمعہ کے بعد نمازیوں کو تنظیم اسلامی کی دعوت سے متعارف کروایا۔اور لٹریچر بھی تقسیم کیا۔۳۱ جنوری بروز ہفتہ چونکہ اس دعوتی پروگرام کا آخری دن تھا۔اس لئے آج بھرپور مہم چلائی گئی۔صبح ۱۰ بجے کے قریب دفتر تنظیم اسلامی ملتان سے تمام رفقاء پلے کارڈ اٹھائے ہوئے روانہ ہوئے اور یہاں سے گھنٹہ گھر، چوک کچہری، نواں شہر، چوک ڈیرہ اڈہ اور کینٹ کے علاقہ میں گشت کیا۔اس پورے پروگرام میں رفقاء کا نظم و ضبط اور لگن قابل دید تھی۔اس طرح تمام لوگوں نے بھی ہمارے کام کی تحسین کی اور کئی ایک نے دلچسپی کا اظہار کیا۔توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مہم سے کوئی خیر برآمد فرمائے گا! اور لوگوں کی اصلاح ہوسکے گی۔

(مرتب: شیخ رحیم الدین)

شجاع آباد

شجاع آباد اور اس کے نواحی علاقہ میں تنظیم اسلامی کی داغ بیل ابھی حال ہی میں پڑی ہے۔چند رفقاء شجاع آباد اور اسکی نواحی بستی چک مراد پور میں مقیم ہیں اور باہم تنظیم اسلامی کے ایک اُسرہ کی شکل میں منسلک ہیں۔گذشتہ ماہ میاں محمد نعیم صاحب قیم تنظیم اسلامی پاکستان یہاں تشریف لائے اور یہاں کے لئے کچھ لائحہ عمل طے ہوا۔ہدایت کے مطابق ۱۱، ۱۲ فروری کو شجاع آباد ایک دعوتی پروگرام ترتیب دیا گیا۔جو کہ الحمد للہ حسب ذیل صورت میں بخیر و خوبی انجام پذیر ہوا۔

۱۔ جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب تنظیم اسلامی ملتان کے آٹھ رفقاء کے ساتھ

۲۰ : ۳ بعد دوپہر بروز جمعرات شجاع آباد تشریف لائے۔ اُسرہ شجاع آباد کے آٹھ رفقاء اور آٹھ دوسرے ہم خیال شریک ہوئے۔ پروگرام کا آغاز احاطہ کچہری شجاع آباد سے ہوا۔ رفقاء نے کتبات اٹھائے ہوئے شہر کا گشت کیا۔ دوران گشت قبل نمازِ عصر مختلف مقامات پر پانچ خطاب ہوئے۔ بعد نمازِ عصر شاہی مسجد میں چوہدری رحمت اللہ بٹر نے اقامت دین کے بارے میں مختصر خطاب فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۲۰۰ کے لگ بھگ تھی۔ بعد نماز عصر تنظیم اسلامی وہاڑی سے بھی تین رفقاء شریک پروگرام ہوئے۔ قبل نماز مغرب تک مختلف مقامات پر پانچ خطابات ہوئے۔ نمازِ مغرب مدنی مسجد چوک تھانہ شجاع آباد میں ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد مذکورہ میں بھی چوہدری رحمت اللہ بٹر نے خطاب فرمایا۔ سامعین کی تعداد قریباً ۲۸۰ تھی۔ یہاں سے فارغ ہوکر رفقاء چک مراد پور کی طرف روانہ ہوئے۔ اور بعد نمازِ عشاء رفقاء اور دیگر ہم خیال لوگوں کا آپس میں تعارف کرایا گیا۔ اگلی صبح بروز جمعہ نمازِ فجر کے بعد چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے درس قرآن دیا . . . . . . ۹ بجے صبح تا گیارہ بجے موصوف ہی نے اقامتِ دین و اغراض و مقاصدِ تنظیم اسلامی کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اسی دوران کچھ وقت سوال و جواب کی نشست بھی ہوئی۔ رفقاء کے علاوہ تقریباً دیگر سامعین کی تعداد تیس تھی۔ اس خطاب کے بعد حسین بخش صاحب نے جو کہ محکمہ ڈاک میں بطور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ہیں نے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔ بوقت ۱۲ بجے دوپہر رفقاء شجاع آباد کے لئے روانہ ہوئے، اور گلستان مسجد شجاع آباد نمازِ جمعہ ادا کی۔ نماز جمعہ سے قبل سوا ایک بجے سے دو بجے تک چوہدری رحمت اللہ بٹر صاحب نے اقامتِ دین کے موضوع پر سامعین جمعہ سے مدلل خطاب فرمایا۔ بعد ادائیگی نمازِ جمعہ یہ دعوتی پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ دورانِ گشت اور مساجد کے خطابات میں منشور تنظیم اسلامی اور دو ورقہ دکراچی میں قیامت صغریٰ، تقسیم کیا گیا۔ تمام پروگرام میں کسی قسم کا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ بلکہ اس پروگرام اور تنظیم اسلامی کے بارے میں لوگوں کے تاثرات اچھے معلوم ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

(مرسلہ: سید عاشق حسین۔ نقیب اسرہ شجاع آباد)

الحمدللہ بعض دوسرے مقامات پر بھی اسی طرح کے پروگرام منعقد ہوئے ان شاء اللہ العزیز وہاں کی تفصیلات آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ خدمت و دعوت دین کی ان حقیر کوششوں کو قبول فرمائے۔ ooooooo

فون : ٢٠٢١٦٦

آصف آٹوز

AA

امپورٹر: ہوز کلمپ، آئل گیج، ٹمپریچر گیج، ہارن اینڈ شولائٹ چائنہ

٦ نظام آٹو مارکیٹ بادامی باغ لاہور

ہول سیل ڈیلر: اے ون آٹو کیبلز

کوپن برائے سالانہ خریداری

میں ماہنامہ **"میثاق"** لاہور کا سالانہ خریدار
بننا چاہتا ہوں / چاہتی ہوں براہ مہربانی مجھے ماہ ______ کا
شمارہ -/٤٤ روپے کی وی پی کی شکل میں درج ذیل پتے پر
ارسال کر دیجئے / میری طرف سے سالانہ زرِ تعاون کی رقم بذریعہ
منی آرڈر / بنک ڈرافٹ ارسالِ خدمت ہے۔

نام ------------------------

پتہ ------------------------

نوٹ: رقم ماہنامہ میثاق ٣٦۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتے پر ارسال کی جائے

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.
"COCA-COLA" AND "COKE ARE THE REGISTERED TRADE-MARKS WHICH IDENTIF
THE SAME PRODUCT OF THE COCA-COLA COMPANY.
paragon

THE ROARING LION OF AGRO-CHEMICAL INDUSTRY

BUBBER SHER UREA ®

THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS, AND THERE ARE PEOPLE WHO DO THINGS WELL.

AT DAWOOD HERCULES WE DO THINGS WELL ! RIGHT FROM OUR INCEPTION 12 YEARS AGO WE'VE BEEN ENGAGED IN A TREMENDOUS OUTPUT, ENSURING BETTER AND HEALTHIER CROPS AND STRENGTHENING THE NATIONAL ECONOMY. DURING THIS TIME WE'VE :

a. PRODUCED 4,000,000 TONS OF BUBBER SHER UREA.
b. SAVED MORE THAN US $ 750,000,000 IN FOREIGN EXCHANGE FOR PAKISTAN.
c. CONTRIBUTED RS. 2000,000,000 TO THE NATIONAL TREASURY IN THE FORM OF DEVELOPMENT SURCHARGE, DUTIES AND TAXES.
d. SAVED FERTILIZER SUBSIDY WORTH RS. 3000,000,000 IN OUR PRODUCTION WHICH WAS USED BY THE GOVERNMENT TO SUBSIDIZE FERTILIZER PRICES, GIVING AN ENORMOUS BENEFIT TO THE FARMER.

BROADLY SPEAKING WE ARE COMMITTED TO A BETTER QUALITY OF LIFE FOR OUR PEOPLE AND WE ARE DEVOTING OUR VAST TECHNOLOGICAL RESOURCES AND AGRO-CHEMICAL KNOW-HOW TO PROVIDING A VITAL INPUT FOR DEVELOPING HEALTHIER CROPS.

WE FEEL PROUD OF THESE ACHIEVEMENTS, AND SHALL CONTINUE TO PLAY OUR KEYROLE IN THE DEVELOPMENT OF AGRICULTURE AND ECONOMY OF PAKISTAN.

CHEMICALS

DAWOOD HERCULES CHEMICALS LIMITED
MAKERS OF BUBBER SHER UREA

DAWOOD CORPORATION LIMITED
DISTRIBUTERS OF BUBBER SHER UREA

promoters

تنویر برادرز

ہول سیل ڈیلر : بال رولر، ٹیپر بیرنگ، بس، ٹرک، ٹریکٹر، مشینری ہر قسم

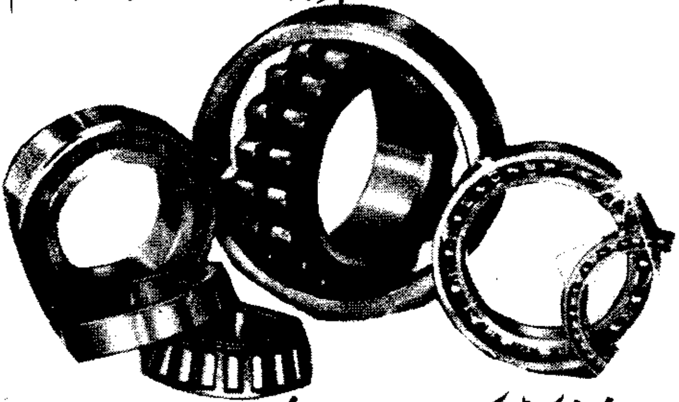

۲۸۔ نظام آٹو مارکیٹ، بادامی باغ۔ لاہور۔ فون: ۲۰۲۰۸۹۶

agriauto
INDUSTRIES LIMITED

- *PRODUCTS* :- *GASKETS-*
- *ENGINES VALVES-*
- *CAMSHAFTS-*
- *HARD CHROME STEEL SLEEVES-*
- *SHOCK ABSORBERS*

- ہماری مصنوعات
- گیسکٹ
- انجن والو
- ہارڈ کروم سٹیل سلیوز
- کیم شافٹس
- شاک ابزاربز

ڈسٹری بیوٹرز :-

میسی آٹوز

ٹیلیفون :- 202467 - 201527

ایل۔ ایم۔ سی مارکیٹ بادامی باغ لاہور

میسی فرگوسن 240 اور 265-

انجن والوز، گیسکٹس اور کیم شافٹس

جوہر
جوشاندہ
نصف صدی سے معیاری
ادویات کا نشان

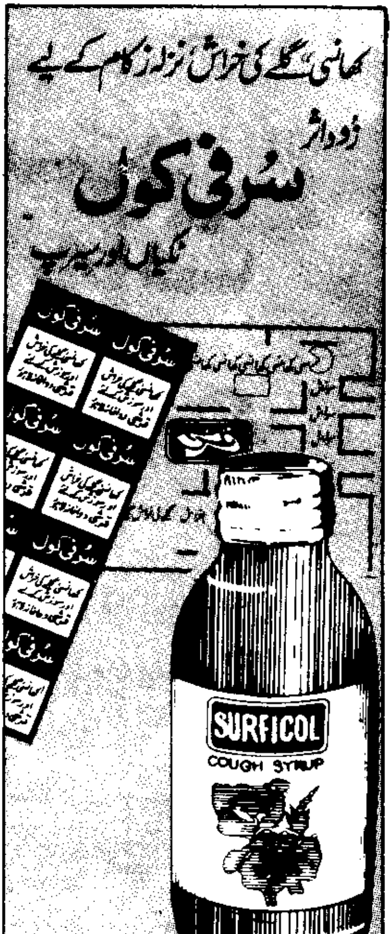
کھانسی، گلے کی خراش، نزلہ زکام کے لیے
زوداثر
سُرفی کول
SURFICOL
COUGH SYRUP
نصف صدی سے معیاری
ادویات کا نشان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اے اللہ . . . . .

ہم عاجز ہیں ——— تو قوی ہے
ہم ظالم ہیں ——— تو رحیم ہے
ہم گناہ گار ہیں ——— تو بخشنے والا ہے

ہم نے تجھ سے یہ ملک مانگا تھا کہ یہاں تیرے کلمے کو بلند کریں گے
تیری کتاب کے احکامات پر عمل کریں گے
تیرے آخری نبی اور رسُول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کی پیروی کریں گے
لیکن ہم نے ——— اُس عہد کو پامال کر دیا
ہم نے اپنی خواہشات اور مال و دولت کو اپنا معبود بنا لیا
ہم تجھے بھول گئے
لیکن تو ہمیں فراموش نہ کر

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کر دے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد	بھگوان سٹریٹ پرانی انارکلی لاھور

SOHRAB
AKS LTD
سُہراب

MONTHLY
MEESAQ
LAHORE

Regd. L. No. 7360
Vol. 36 No. 3
MARCH 1987

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز ــ وَ ــ بِفَضْلِہٖ تَعَالٰی وَبِعَوْنِہٖ

تنظیمِ اسلامی

کا

بارھواں سالانہ اجتماع

۴ اپریل تا ۷ اپریل ۱۹۸۷ء

قرآن اکیڈمی ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

میں منعقد ہوگا۔

- افتتاحی اجلاس ۴ اپریل بعد نمازِ عصر منعقد ہوگا۔ لہٰذا تمام رفقاءِ تنظیم ۴ اپریل کو نمازِ ظہر تک قرآن اکیڈمی پہنچ جائیں۔
- سالانہ اجتماع ۷ اپریل بعد نمازِ ظہر اختتام پذیر ہو جائے گا۔